بیسویں صدی عیسوی کے نصفِ اوّل میں سیرت نگاری کا ارتقا:
بہ حوالہ "سیرتِ قرآنیہ" از محمد اجمل خان

نثار احمد ۞

ہمارے ہاں اردو زبان (نثر) میں اور وہ بھی بہ طور خاص سرزمین پاک و ہند میں سیرت نگاری کی تاریخ اگرچہ کافی پرانی ہے، تاہم بیسویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں سیرت نگارانہ کاوشیں اس بڑے پیمانے پر ہوئیں کہ ایک مصنف و محقق کے بہ قول یہ زمانہ "اردو سیرت کا عہد زرّیں" کہا جا سکتا ہے۔[۱] اس دوران میں سیرت نگاری کے مختلف النوع اسالیب و مناہج اختیار کیے گئے۔[۲] البتہ اس وقت چوں کہ زیر نظر مطالعہ اور گفتگو کا تعلق قرآن حکیم کو ماخذ و مصدر مان کر سیرت نگارانہ سرگرمیوں سے ہے، اس لیے بحث و نظر کو اسی حوالے سے "سیرتِ قرآنیہ" (مؤلفہ محمد اجمل خان) تک محدود رکھا جائے گا۔

یہ امر طے شدہ ہے کہ قرآن حکیم سیرتِ نبی کریم ﷺ کے لیے پہلا بنیادی، حتمی، قطعی، ہم عصر، تحریری ماخذ و مصدر رہے۔ قرآن حکیم کا آغازِ نزول غارِ حرا میں پہلی وحی ربانی[۳] کے ساتھ ہوا اور پھر یہ نزول (یک بارگی نہیں بلکہ) تدریجاً،[۴] اگلے تیئیس (۲۳) سال تک[۵] اس طرح جاری و ساری رہا کہ حیاتِ مقدسہ کا کوئی لمحہ

۞ سابق پروفیسر، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ کراچی، کراچی۔

۱۔ دیکھیے: ڈاکٹر انور محمود خالد، **اردو نثر میں سیرت رسولؐ** (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۹ء)، ۴۳۵-۶۹۴۔

۲۔ سیرت نگاری کے مختلف مناہج واسالیب کی کچھ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: محمود احمد غازی، **محاضرات سیرت** (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۲۰۰۷ء)، ۱۹۳-۲۵۳۔

۳۔ اس بات پر کامل اتفاق ہے کہ پہلی وحی (کا نفس مضمون اور متن) سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات پر مشتمل تھا۔ (اس سلسلے میں تفسیری نکات، ترجمہ، مقصد و نصب العین، عام اور خاص مفہوم، پہلی سورت کی بحث وغیرہ یہاں مقصود نہیں)۔ مولانا محمد اجمل نے اپنے طور پر ان آیات کو زیر بحث لا کر، ان آیات کا حقیقی مفہوم اور عام ترجمہ، تحقیق الفاظ وغیرہ کے ضمن میں تفصیل سے کام لیا ہے، دیکھیے: محمد اجمل خان، **سیرتِ قرآنیہ، رسولِ عربی ﷺ** (لاہور: الفیصل، ۲۰۰۱ء)، ۱۸۵-۲۰۰۔

۴۔ اس کی تفصیل خود قرآن نے متعدد مواقع پر بیان کی ہے اور واضح کیا ہے کہ قرآن آں حضرت ﷺ پر یک بارگی، یک دم نازل نہیں ہوا، مثلاً فرمایا گیا: ﴿ وَقُرْءَانًا فَرَقْنَٰهُ لِتَقْرَأَهُۥ عَلَى ٱلنَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَٰهُ تَنزِيلًا ﴾ (القرآن ۱۷: ۱۰۶) ﴿ وَقَالَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ ٱلْقُرْءَانُ جُمْلَةً وَٰحِدَةً ۚ كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِۦ فُؤَادَكَ ۖ وَرَتَّلْنَٰهُ تَرْتِيلًا ﴾ (القرآن ۲۵:

قرآن کی دست رس سے باہر نہیں رہا اور پھر آخری وحی[۶] کے ساتھ ہی (وصال مبارک سے تقریباً ایک ماہ پہلے) قرآن حکیم اتمام واکمال کی منزل سے ہم کنار ہوا اور یوں پورا سفر رسالت مآب ﷺ قرآن کے سایے میں بسر ہوا۔ قرآن اور سیرت کا التزام باہم ظاہر کرتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے ناگزیر، لازم وملزوم ہیں۔ قرآن سیرتِ نبویؐ کا عکاس ہے اور سیرتِ نبویؐ قرآن کا عکس اور عملی نمونہ ہے۔

قرآن کو بہ طور ماخذ، اوّلیت واہمیت حاصل ہونے کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اردو سیرت نگاری کے اوائل میں اسے قرار واقعی اہمیت حاصل نہیں ہو سکی بلکہ اپنے بلوغ کی اس منزل پر پہنچ کر، جب کہ مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (م۱۹۱۴ء)، مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ (م۱۹۵۳ء) اور مولانا قاضی سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ (م۱۹۳۰ء) وغیرہ اپنی تصنیفات کے ذریعے ایک سنجیدہ، علمی، تاریخی تحقیق دبستانِ سیرت نگاری کو نہ صرف قائم بلکہ پروان چڑھا چکے تھے، اس کے باوجود قرآن وحدیث اور تاریخ وسیرت کے عمومی مآخذ پیش نظر رکھے جانے کے بعد بھی، محض قرآن کی بنیاد پر سیرت نگاری کی عمارت کو ابھی استوار نہیں کیا جاسکا تھا۔ شاید اسی لیے مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ (م۱۹۵۸ء) نے مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ مشورہ دینا ضروری سمجھا کہ ”آپ سیرت میں ایک خاص باب یا سیرت کا ایک خاص حصہ اس عنوان سے قرار دیجیے: ”قرآن وسیرت محمدیہ“ اور اس میں صرف آیات قرآنیہ کو بہ ربط وترتیب جمع کر کے دکھلائیے کہ خود قرآن سے کہاں تک آپ ﷺ کی شخصیت اور آپ ﷺ کے وقائع وایام معلوم ہوسکتے ہیں۔“[۷]

---

۳۲) ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ ٱلْقُرْءَانَ تَنزِيلًا﴾ (القرآن ۷۶: ۲۳) لفظ اِنزال یک بارگی نازل کرنے کو اور تنزیل آہستہ آہستہ نازل کرنے کو کہتے ہیں۔ الفاظ بجائے خود حقیقت ظاہر کر رہے ہیں کہ قرآن یک دم نہیں، بہ تدریج اتارا گیا۔

۵۔ نزولِ قرآن کی ابتدا رمضان ۱۴/ نبوی (اگست ۶۱۰ء) کی مبارک رات میں ہوئی۔ بعض کے نزدیک وہ ۱۷/ رمضان کی رات تھی۔ اس کے بعد آں حضور ﷺ نے تقریباً ۱۳/ سال مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا اور مجموعی طور پر قرآن کا ۱۹/۳۰ حصہ اس عرصے میں نازل ہوا۔ ہجرت کے بعد دس سال سے کچھ زائد مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور وہاں بھی حضور ﷺ کی وفات سے ایک ماہ قبل تک نزول قرآن کا سلسلہ جاری رہا، اس مدت میں قرآن کا ۱۱/۳۰ حصہ نازل ہوا، دیکھیے: حافظ احمد یار، **قرآن وسنت: چند مباحث** (لاہور: شیخ زاید اسلامک سنٹر، ۲۰۰۰ء)، ۱۳۔

۶۔ بہ لحاظ نزول، قرآن کی سب سے آخری (وحی آیت) کے بارے میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ بہ لحاظ نزول آخری آیت سورۃ المائدۃ کی تیسری آیت ہے، لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ وہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۸۱، یعنی: واتقوا یوما ترجعون ------ لا یظلمون ہے (احمد یار، نفس مرجع، ۱۴)۔

۷۔ غلام رسول مہر، **رسولِ رحمتؐ** (سیرت طیبہ پر مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم ومغفور کے مقالات بہ ترتیب واضافہ مطالب) (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۰ء)، ۱۸۔

بہ ہر حال تاریخی طور پر، بربنائے قرآن، سیرت نگاری کی بنیاد، ہم کہہ سکتے ہیں کہ بیسویں صدی عیسوی کے دوسرے عشرے میں اس وقت پڑی جب کہ مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۶۲ء) کی ۶۴ صفحات کی ایک مختصر سی کتاب بہ عنوان **سیرت الحبیب الشفیع من الکتاب العزیز الرفیع** ۱۹۱۴ء میں شائع ہوئی۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مولانا عبد الشکور لکھنوی کی مذکورہ بالا مختصر کتاب علمی، ادبی اور دینی حلقوں میں کوئی خاص تموج پیدا نہیں کر سکی۔[۸] یہاں تک کہ آئندہ ربع صدی تک قرآنی سیرت نبویہ کا دوسرا نمونہ (غالباً ۱۹۴۰ء تک) منصۂ شہود پر نہ آسکا۔ چناں چہ مولانا ابو الکلام آزاد جیسے باخبر عالم کو یہ کہنا پڑا کہ ”جہاں تک مجھے معلوم ہے آج تک کبھی اس کی کوشش نہیں کی گئی کہ صرف قرآن حکیم میں دائرہ اسناد واخذ محدود رکھ کر ایک کتاب سیرت میں مرتب کی جائے۔“ [۹]

حضرت ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی پر مشتمل جس کتاب کو دیکھنے کے متمنی تھے، اگر وہ (مجوزہ) کتاب خود ان کے قلم گہر بار سے معرض وجود میں آتی تو شاید واقعتاً مثالی، معیاری، عظیم الشان ہوتی مگر افسوس کہ علامہ موصوف کو اپنی بے پناہ علمی، ادبی، سیاسی، ثقافتی، ہنگامی مصروفیات اور قید وبند کی مشکلات کے سبب اس کا موقع نہ مل سکا۔ یہ صحیح ہے کہ اپنی تفسیر القرآن کی ضروریات کے تحت جگہ جگہ سیرت النبیؐ کے اہم نکات علامہ نے بیان کر دیے ہیں۔ علاوہ ازیں وقتاً فوقتاً ملک کے طول وعرض سے آنے والے استفسارات کے جواب میں مختلف واقعات کی توضیح وتطابق کرتے ہوئے ان کے شذرات اعلیٰ درجہ کے مقالات کا نمونہ ہیں اور ان متفرقات کو مولانا غلام رسول مہر رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی حد تک **رسولِ رحمت** کے دامن میں جمع کر دیا ہے۔[۱۰] اس لیے استفادہ مشکل

۸۔ مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ نے اپنی کتاب **خطباتِ ماجدی یا سیرتِ نبوی قرآنی** (مطبوعہ ۱۹۶۲ء) میں مولانا عبد الشکور لکھنوی کی مختصر کتاب کا تعارف، دیباچے (ص۶) میں اور اس پر تبصرہ اختتامیے (۲۶۳) میں کیا ہے اور آخری معنی خیز جملہ یہ لکھا ہے کہ ”کاش یہی کتاب اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد چھپتی، کہ اب یہی نہیں کہ یہ کہیں ضخیم ہو کر نکلتی بلکہ ان خامیوں، اور فروگزاشتوں سے بھی پاک ہوتی جو نوعمری اور نومشقی میں ہر اہل قلم کے لیے لازمی سی ہیں“۔ مولانا موصوف کے تبصرے سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ مذکورہ کتاب نہ صرف یہ کہ بہت مختصر یعنی صرف ۶۴ صفحہ کی تھی، بلکہ اس میں خامیاں اور فروگزاشتیں بھی تھیں جس کے سبب ہی وہ علمی حلقوں کی توجہ زیادہ حاصل نہیں کر سکی۔

۹۔ دریابادی، **خطباتِ ماجدی یا سیرت نبوی قرآنی** (لکھنؤ: ۱۹۶۲ء)، ۱۸۔

۱۰۔ مہر، مرجع سابق، مثلاً ترتیب قرآن اور سورۃ الفاتحۃ (باب ۱۳) کے ضمن میں مکی اور مدنی سورتیں (ص ۸۲) پہلی وحی (ص ۸۵) حقیقت اسغا ث وحی (باب ۱۳، ص ۸۹) مراتب ظہور (ص ۸۹) افتتاح وحی، (ص ۹۱) سغا ث وحی اور تنزیل سور (باب ۱۴، ص ۹۲) وغیرہ وغیرہ۔

نہیں، لیکن یہ تو واضح ہے کہ مولانا آزاد کی (مجوزہ) کتاب بہ ہر حال متشکل نہ ہو سکی۔ البتہ اس تشنگی اور علمی ضرورت کی تکمیل کے لیے آگے بڑھنے والے وہ صاحب تھے جو حضرت مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے دامن تربیت سے وابستہ اور ان کے پرائیویٹ سیکرٹری، جناب محمد اجمل خان صاحب ایم اے تھے۔ موصوف نے پورے اشتغال اور انہماک سے اس سمت پیش قدمی کی اور نہ صرف مطالعات قرآنی کو نئے رنگ ڈھنگ سے اپنایا، بلکہ پھر اسی مطالعۂ قرآنی کی بنا پر ایک سیرت قرآنیہ سیدنا رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم بھی مرتب کرنے میں کام یاب ہوئے۔

محمد اجمل خان صاحب اپنے جذبۂ صادق اور اہلیت کے اعتبار سے اس کام کے لیے گویا ہر طرح موزوں تھے، اپنی فطری خداداد صلاحیتوں کے علاوہ اکتساب علم و فن میں انھوں نے کافی سرگرمی دکھائی اور یہ کہنا صحیح ہو گا کہ وہ اس کام میں جی جان سے لگ گئے۔ تصنیف و تالیف کا تجربہ انھیں (مؤلف سیاسیات، **مقدمۂ فلسفہ** وغیرہ کی حیثیت سے) پہلے سے حاصل تھا، اس پر مستزاد مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت باکرامت تھی۔ پھر بنگال میں رابندر ناتھ ٹیگور کے شانتی نکیتن میں سالہا سال گزارنا عظیم تجربہ تھا، سرسبز و شاداب ماحول میں گوشۂ عافیت، کتابوں کا خزانہ، علما و فضلا، محققین، مفکروں، دانش وروں اور مستشرقین یورپ کی معیت، ان سے علمی مذاکرات اور استفادے کے لیے بے پناہ مواقع، فکر و فلسفہ کی آزادانہ مشق، تنقید و تبصرہ، رائے کے برملا اظہار کی حوصلہ افزائی وغیرہ نے ذہن کی بالیدگی اور تناظر کی وسعتیں دوچند کر دیں، وحدتِ آدم، وحدتِ ادیان کے جذبات کو فروغ ملا، ہر ایک سے یک جہتی اور یک رنگی، رواداری اور مصالحت پر آمادگی آسان ہوگئی، ہر گل و لالہ کی خوش بو اچھی اور ہر چمن خوش گوار پر بہار لگنے لگا۔ انگریزی مقالہ "The Original Spirit of Islam" کی تحریر و تسوید، وہیں قیام کے دوران مکمل ہوئی۔ دہلی پہنچ کر جامعہ ملیہ دہلی میں معروف و مشہور شارح فکر ولی اللہی اور ترجمان انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۴۴ء) اور شیخ الہند مولانا محمود حسن کی صحبت و تربیت نے گویا ان کے سفینہ ہائے افکار کو ساحل مراد سے آشنا کر دیا۔[۱۱]

۱۱۔ مولانا محمد اجمل خاں کی کتاب **ترتیب نزول قرآن کریم** پہلی مرتبہ ۱۹۴۱ء میں کتاب گھر الہ آباد یوپی سے شائع ہوئی، جب کہ پاکستان میں اس کا پہلا ایڈیشن مارچ ۱۹۸۳ء میں سنی پبلی کیشنز، لاہور نے مولانا سعید الرحمن علوی کے دیباچے "حرفے چند" کے ساتھ شائع کیا۔ مولانا علوی نے جامعہ ملیہ دہلی میں ولی اللہ فکر کے شارح و ترجمان امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا محمود حسن کے افکار اور علوم و معارف سے اجمل خان صاحب کے مستفید ہونے کا ذکر تفصیل سے کیا ہے (ص۳) اور لکھا ہے کہ اجمل خان صاحب تین سال کا عرصہ بنگال کے ایک گوشے میں بیٹھ کر **دی اوریجنل اسپرٹ آف اسلام** کو تیار کیا جس سے ان کا مقصد اسلام کی حقیقت اور بنیادی صداقتوں کو اجاگر کرنا تھا۔ یہ حصہ جس کا تعلق ترتیب نزول قرآن سے تھا،

چناں چہ جب سیرتِ قرآنیہ سے پہلے مولانا محمد اجمل خان کی (۱۱۸صفحات پر مشتمل) مختصر کتاب (بہ عنوان) **ترتیبِ نزولِ قرآن** شائع ہوئی تو اس میں مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی موقر رائے شامل تھی۔ مولانا عبید اللہ سندھی نے ۲۳/دسمبر ۱۹۴۰ء کو تحریر فرمایا کہ ”مولانا محمد اجمل خان کا ان مفسرین پر ہمیشہ احسان رہے گا۔ انھوں نے اندرونی شہادت کی مدد سے مکی سورتوں کے متعین کرنے کا راستہ کھول دیا ہے اور روایات کے اختلاف سے جو اغلاق پیدا ہوتا تھا اسے دور کرنے کی پوری کامیاب کوشش کی ہے۔ مولانا محمد اجمل خان نوجوان مسلمان کے لیے نمونۂ تقلید ہیں۔ وہ گیتا کا ترجمہ کرتے ہیں، وہ قرآن کے احکام میں طبعی نظام پیدا کرنے کے لیے جدوجہد میں مصروف ہیں۔“ آخر میں مولانا سندھی نے ان کی علمی تحقیقی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے یہ بھی لکھا کہ ”اگر جامعہ ملیہ کبھی قرآنی تحقیقات کے لیے فیکلٹی قائم کرے تو میں اس کے سامنے شہادت دینے کو تیار ہوں کہ مولانا محمد اجمل خان کو ڈاکٹر مان لیا جائے۔“[۱۲]

ترتیبِ نزولِ قرآن کی ترتیب و تدوین نہ صرف یہ کہ فہم قرآن کا پہلا مرحلہ تھا اور بہ قول مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ ”قرآن دنیا کو انٹرنیشنل انقلاب کا نظام“ پیدا کرنے کے لیے جدوجہد کا بھی حصہ تھا۔[۱۳] (مجوزہ) سیرتِ قرآنیہ کے لیے بھی اسے مرحلۂ اوّل کی حیثیت حاصل تھی، کیوں کہ یہ معلوم کرنا ضروری تھا کہ حیاتِ نبویؐ میں قرآن کا کون سا حصہ کس وقت، کب اور کن حالات میں نازل ہوا یعنی کون سا حصہ، آیات، سورتیں مکی ہیں اور کون سی مدنی؟[۱۴]

اس کو اردو زبان میں منتقل کر کے اس دور کے کثیر الاشاعت اردو اخبار **مدینہ بجنور** میں شائع کروادیا۔ **مدینہ بجنور** کے مدیر نے اپنے اخبار میں مذکورہ مضمون کی اشاعت کے وقت ۲۴/دسمبر ۱۹۴۰ء کو ایک نوٹ بھی شائع کیا جس میں لکھا کہ ”ہم ممنون ہیں کہ پروفیسر صاحب نے اپنی تحقیق کے نتائج کا اظہار فرمانے کے لیے **مدینہ** اور قارئین مدینہ کو سب سے پہلے موقع دیا۔“ (محمد اجمل خان، **ترتیب نزولِ قرآن کریم** (لاہور: سنی پبلی کیشنز، ۱۹۸۳ء/۱۴۰۳ھ)، ۷)۔

۱۲- نفس مرجع، ۷۔

۱۳- نفس مرجع، ۷۶۔

۱۴- مولانا اجمل خان نے اپنی ضخیم کتاب **سیرت قرآنیہ** کے دیباچے/مقدمے/ حرف اوّل میں اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے اور ان عوامل و عناصر کی نشان دہی کر دی ہے جنھوں نے ان کی ذہنی فکری تعمیر میں حصہ لیا اور بالآخر تمام حد بندیوں سے گزر کر ان نتائج تک پہنچ گئے جن کا جابجا اظہار ان کی **سیرت قرآنیہ** میں دیکھا جا سکتا ہے اور جو امت مسلمہ کے عام اجماعی موقف سے بہت مختلف اور عامۃ المسلمین کے مسلمہ عقائد و نظریات سے ہم آہنگ نہیں۔ اس ذہنی پس منظر کی روداد وہ خود بیان کرتے ہیں: ”ظاہر ہے قرآن کے بغیر سیرت، اور سیرت کے بغیر قرآن کا سمجھنا بہت ہی دشوار کام ہے۔ ان دونوں کے جمع کرنے کا ایک ہی طریقہ ہو

کتاب **ترتیبِ نزولِ قرآن** کے مقدمے (مؤرخہ دسمبر ۱۹۴۰ء) میں مولانا محمد اجمل خان نے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ "مسلمانوں کو جو دشواریاں قرآن کے سمجھنے اور حقائق اسلام تک رسائی حاصل کرنے میں پیدا ہو رہی ہیں، اس کا ایک ہی حل ہے یعنی قرآن کو اس ترتیب سے سمجھا جائے جس ترتیب سے خود خدا نے اسے نازل فرمایا ہے۔"(۱۵)

وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ "ہر زمانہ میں ایسے بزرگ بھی رہے ہیں جنھوں نے اپنے زمانے کی علمی (سائنسی) ترقی کے ساتھ قرآن کے نظریۂ کائنات واخلاق کو ہم آہنگ بنانا چاہا ہے۔ گویا حقائقِ قرآن کی کسوٹی سائنس وعلوم مادیہ ہی ہیں۔"(۱۶)

سکتا ہے کہ مکی اور مدنی سورتوں کو الگ الگ مدون کر کے اور آں حضرت ﷺ کی زندگی کے مختلف ادوار قائم کر کے دونوں کو ایک ایک ساتھ تاریخی ترتیب سے بیان کیا جائے۔ یہ ایک عظیم الشان کام ہے، اگر توفیق الٰہی شامل نہ ہوتی تو شاید مجھے اس کام کی مہلت نہ ملتی۔ مجھے ۱۹۲۰ء کی تحریک ترکِ موالات نے سیاست وفلسفہ کے علاوہ اَدیان عالم کے تقابلی مطالعہ کا موقع دیا اور اسی زمانہ میں یورپین محققوں اور مشنریوں کے معقول اور نامعقول اعتراضات بھی نظر سے گزرے، پھر نوئل ڈیکے اور ہرش فلڈ کی بے لوث تحقیقِ قرآن نے اور لین پول کی **احادیث وخطبات محمد** ﷺ نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور سالہا سال کی محنت کے بعد ۱۹۴۰ء میں قرآن کی تنزیلی ترتیب پر ایک رسالہ تیار ہو گیا۔ اس کے بعد کام بہت مشکل نہ تھا، چند سال کے اندر ایسی کتاب تیار ہو گئی جس میں ترتیب نزول کے مطابق پوری قرآنی تعلیمات سیرت کے ساتھ ساتھ بیان کر دی گئیں۔" ملاحظہ ہو: محمد اجمل خان، **سیرت قرآنیہ**، (۱۹۵۵ء) ۲۳-۲۴۔ **سیرت قرآنیہ** ۱۹۴۶ء میں مکمل ہو چکی تھی لیکن بعض وجوہ سے شائع نہ ہو سکی، البتہ اس کا خلاصہ ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا (نفس مصدر، ۲۵)۔ **سیرت قرآنیہ** جون ۱۹۵۵ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔ (نفس مصدر، ۲۷)۔

۱۵۔ اجمل خان، **ترتیبِ نزول قرآن**، ۱۳۔ افسوس مولانا موصوف کو یہ مستحضر نہ رہا کہ تفہیم وتفسیر قرآن اور حقائق اسلام تک رسائی کی راہ میں جو مشکلات حائل ہیں وہ محض ترتیب نزول کی "معلومات" سے دور نہیں ہو سکتیں۔ علمائے سلف وخلف نے اس سلسلے میں اپنی زندگیاں وقف کر کے ثابت کیا کہ اس باب کا نصاب الگ ہے۔ علاوہ ازیں نزول کتاب بھی اللہ رب العالمین کی جانب سے تھی، اس کا پڑھنا اور حفظ وجمع کرنا بھی اس نے اپنے ذمے لیا اور ترتیبِ کتاب / قرآن اور ترتیب تلاوتِ کتاب / قرآن کی ہدایت ونگرانی بھی اللہ ہی کی طرف سے تھی۔ نیز حضور نبی کریم ﷺ نے کاتبانِ وحی صحابہ کرام کے ہاتھوں اسے (آیات وسور کو) املا کرایا، پھر دوبارہ سننے اور حسب ضرورت تصحیح کے بعد (سرکاری نسخ کو صندوق المصحف میں) محفوظ رکھا اور نمازوں میں صحابہ کرامؓ کو سنایا، نیز آخری رمضان میں عرضۂ اخیرہ کے موقع پر حضرت جبرئیلؑ نے آپ کو اور آپؐ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام اور صحابہؓ کو مکمل قرآن سنایا۔ اس طرح نزول مکمل ہونے کے ساتھ ہی اس کی کتابت اور تلاوت بھی مکمل ہو گئی۔ اس وقت سے یہ ہر طرح محفوظ ہے۔

۱۶۔ اجمل خان، **ترتیبِ نزولِ قرآن کریم**، ۱۳-۱۴۔ یہ جناب مؤلف کا ذاتی خیال ہے۔ امت کے نزدیک ایسا کبھی نہیں سمجھا گیا۔

جناب **محمد اجمل خان**، مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے اعلان کردہ اسلام کے عالم گیر انقلابی پروگرام کی تاریخ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ دہلوی بہ طور امام انقلاب کی تائید و توضیح کے لیے تحریری تفصیل سے کام لیتے ہیں۔[۱۷] اور پروگرام کی تکمیل کے لیے دہلی کے جامعہ ملیہ میں مرتکز علمی تحریک کی کام یابی کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار کرتے ہیں[۱۸] اور **ترتیب نزول قرآن** کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "یہ وہ بنیادی کتاب ہے، جس کے ذریعہ قرآن کا صحیح تاریخی مطالعہ بغیر کسی تفسیر یا غریب القرآن کے کیا جاسکتا ہے۔"[۱۹]

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مولانا محمد اجمل خان کی محولہ بالا کتاب **ترتیب نزول قرآن** چوں کہ پہلے دسمبر ۱۹۴۰ء میں برصغیر پاک وہند کے کثیر الاشاعت اردو اخبار "مدینہ بجنور" میں بہ طور مضمون شائع ہو کر عامۃ المسلمین / عوام الناس کی توجہ حاصل کر چکی تھی، اس لیے بعد ازاں ۱۹۴۱ء میں کتاب گھر، الہ آباد سے باقاعدہ ایڈیشن کے بعد برصغیر کی دینی علمی ذہنی فضا میں تغیر و تموج پیدا کرنے کا باعث ہوئی۔ (کتاب کے پاکستان ایڈیشن **۱۹۸۳**ءلاہور، میں مولانا سعید الرحمٰن علوی کے مطابق "اجمل خاں اس کی اشاعت کے بعد لوگوں کی آنکھ کا تارا بن گئے اور ہر طرف سے صدائے تحسین بلند ہونے لگی" (حرفے چند، ص ۵)۔ اس کا کئی طرح اظہار ۱۹۴۱ء تا ۱۹۵۰ء

۱۷۔ نفس مرجع، ۱۴-۱۶۔

۱۸۔ نفس مرجع، ۱۶-۱۸۔

۱۹۔ نفس مرجع، ۱۸۔ جناب مصنف (سیرت قرآنیہ کے حصہ اوّل) کا اقتباس ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں جس سے موصوف کے ذہنی منظر اور کتابی پس منظر کا پتا چلتا ہے اور نوئل ڈیکے، ہرش فلڈ اور لین پول کی صحبت اور تحقیقات نے ان پر جو اثر ڈالا اس کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے (دیکھیے: ۲۴)۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ جناب اجمل خان صاحب جن مستشرقین سے اتنے متاثر ہوئے، ان ہی کے ایک ہم عصر بزرگ عالم اور ماہر علوم اسلامیہ جناب مولانا سید مناظر احسن گیلانی (م ۱۹۵۶ء) نے بالکل مختلف نتائج اخذ کیے ہیں، وہ "ترتیب نزول قرآن" کے موقف پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "یورپ کے ان ہی پادریوں نے جو آج کل استشراق کی نقاب چہروں پر ڈال کر یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ بجائے دینی اور مذہبی عصبیت کے ان کے کاروبار کا تعلق صرف علمی تحقیقات سے ہے۔ ان ہی مستشرقین کا یہی طبقہ دوڈھائی سو سال کی کدّ و کاوش کے بعد اس نتیجہ تک پہنچا ہے کہ "صحیح ترتیب نزول کا معلوم کرنا، ناممکن ہے" (نولڈیکی)، ہرش فیلڈ جو اس فیلڈ کا مشہور سپاہی ہے اس بے چارہ کو بھی اسی اعتراف پر مجبور ہونا پڑا کہ "میں پہلے سے اس کا اقرار کیوں نہ کرلوں کہ اس سلسلہ میں (نزول ترتیب کی جاسوسی میں) قابل اعتماد نتائج حاصل کرنے کی بہت ہی کم امید ہے"۔ (یہ فقرے پروفیسر اجمل کی کتاب سے لیے گئے ہیں جو اسی مسئلے پر انھوں نے لکھی ہے) ملاحظہ ہو: مولوی غلام ربانی، **تدوین قرآن۔۔۔ قرآن کے تحفظ پر ایک تاریخی نظر، از افاداتِ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی** (دہلی: مکتبہ برہان، ۱۹۶۱، /۱۳۱۸ھ)، ۱۹۔

کی پوری دہائی میں اور اس سے **متصل** عرصے میں بھی نمایاں ہوا۔ اس دوران میں مولانا اجمل خاں کی سیرتِ قرآنیہ کی ترتیب و تکمیل ۱۹۴۶ء میں ہوئی اور اس کے بعد ۱۹۵۱ء میں اس کا ایک خلاصہ بھی چھپ کر شائع ہوا[۲۰] جب کہ **سیرت قرآنیہ** ۱۹۵۵ء تک ہی منظر عام پر آسکی، یعنی قرآنی فکر و تحرک میں اگلی دہائی (۵۱ء تا ۶۰ء) بھی شامل ہو گئی۔

قرآن کی روشنی میں سیرت نگاری کے حوالے سے جناب غلام احمد پرویز کی کتاب **معراجِ انسانیت** تقریباً اسی دور میں سامنے آئی (جو ضخیم بھی تھی اور انکارِ سنت کے مخصوص نقطۂ نظر کی حامل بھی)۔ مقدمہ طبع اوّل میں خود مصنف کا بیان ہے کہ کتاب کی ترتیب و تسوید اگرچہ ۱۹۴۷ء سے پہلے ہو چکی تھی تاہم تقسیمِ ہند کے عواقب و خلفشار کے سبب ۱۹۴۹ء میں شائع ہو سکی۔[۲۱] اسی دور زیر بحث میں قرآن کی تفسیر و تشریح پر مبنی، مولانا اجمل خان کے ایک ہم عصر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ (م ستمبر ۱۹۷۹ء) کی کتاب **تفہیم القرآن** (جو مقدمہ طبع اوّل کے مطابق ۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۷ء کے درمیان لکھی گئی اور ۱۹۴۹ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی)[۲۲] کے مقدمے میں **جمع و ترتیب قرآن** اور **ترتیب نزول قرآن** اور متعلقات کا تسلی بخش جائزہ لیا گیا، مزید برآں وہ دوسری خوبیوں کے علاوہ مولانا محمد اجمل خاں کی منشا کے مطابق قرآن کے تاریخی مطالعہ اور تحریک اسلامی کے پس منظر میں لکھی گئی۔[۲۳] بنا

۲۰۔ اجمل خان، **سیرتِ قرآنیہ**، ۲۵۔

۲۱۔ غلام احمد پرویز، **معراجِ انسانیت** (لاہور: ادارہ طلوع اسلام، ۱۹۶۸ء)، ۳۰ – ۳۴۔

۲۲۔ دیکھیے: سید ابوالاعلیٰ مودودی، **تفہیم القرآن** (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، جنوری ۲۰۰۹ء)، ۱۲۔

۲۳۔ مولانا مودودی نے اپنے مقدمے میں اس سوال کا مفصل جواب دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو اسی ترتیب کے ساتھ کیوں نہ مرتب کر دیا جس کے ساتھ وہ نازل ہوا تھا (دیکھیے: مقدمۂ **تفہیم القرآن**، ۲۶-۲۷) نیز یہ تفصیل بیان کی ہے کہ قرآن کی ترتیب لوگوں کی دی ہوئی نہیں ہے، بلکہ خود اللہ کی ہدایت کے تحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے قرآن کو اس طرح مرتب فرمایا تھا (نفسِ مرجع، ۲۸) نیز جمع و ترتیب قرآن کی تاریخ بھی مختصر بیان کر دی ہے (نفسِ مرجع، ۲۹ –۳۱)۔ مولانا نے **تفہیم القرآن** میں یہ اہتمام برتا کہ ہر سورہ کی ابتدا میں سورہ کا تعارف، تاریخی پس منظر، شان نزول، خلاصۂ مباحث لائے ہیں اور تاریخی طور پر وہ سورت اسلامی تاریخ / اسلامی تحریک کے جس دور سے متعلق ہے اس کی تفصیل، آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ، آپؐ کے مشن اور صحابہ کے طرز عمل کا جائزہ، تاریخی واقعات اور حسب ضرورت مختلف النوع نقشہ جات اور عکسی تصاویر کے ذریعے "فہم قرآن" کا تقاضہ پورا کیا۔ جلد اوّل مختصر ہے البتہ دوسری جلد سے آخری چھٹی جلد تک تفصیل سے کام لیا ہے۔ نیز ۱۹۵۹ء میں سفر نامہ **ارض القرآن** اختیار کرنے کے بعد موقع بہ موقع جدید معلومات اور تصاویر بھی شامل کی گئی ہیں۔

بریں ۱۹۴۰ء تا ۱۹۶۰ء کی دونوں دہائیوں کے نمایاں عرصے میں مدیر **صدق** لکھنؤ، مولانا عبد الماجد دریا بادی کے جنوری ۱۹۵۸ء میں دیے گئے نو لیکچروں پر مشتمل **خطباتِ ماجدی یا سیرۃ نبویؐ قرآنی** کے نام سے ایک کتاب ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی [۲۴] جس کی خاص بات یہ تھی کہ اس کے اختتامی صفحات میں مولانا اجمل خاں کی کتاب **سیرت قرآنیہ** کے مطبوعہ خلاصے پر مولانا دریابادی (م ۱۹۷۷ء) کا تبصرہ بھی شامل تھا۔[۲۵]

برصغیر پاک وہند کے علمی ادبی دینی سماجی حلقوں میں متذکرہ بالا تمام کتابوں نے اپنے گہرے اثرات مرتب کیے۔ مثلاً جناب پرویز کی **معارف القرآن** کے علاوہ متعدد کتابیں منظر عام پر آئیں اور مقبول ہوئیں، بلکہ ان کے پڑھنے والوں اور مداحوں کا ایک (مخصوص) حلقہ پیدا ہوا، نیز انکار سنت کی تحریک "فتنہ انکار سنت" بن کر ابھری جس کے علمی جواب اور ردّ میں مشہور علمی مذہبی شخصیات نے حصہ لیا۔ ادھر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے جماعت اسلامی کے نام سے تحریک اسلامی کو عملاً برپا کیا۔ اپنی تفسیر **تفہیم القرآن** (جو بڑے سائز کے ہزاروں صفحات اور چھے جلدوں پر مشتمل ہے) کے علاوہ بھی سینکڑوں تصنیفات کا ڈھیر لگا دیا۔ انھیں خوش قسمتی سے نہ صرف یہ کہ اپنی زندگی میں ہی **تفہیم القرآن** کی تکمیل کا موقع ملا، بلکہ ان کے محبین و مخلصین نے **تفہیم القرآن** سے اخذ واستفادہ کر کے سیرت الرسولؐ پر **سیرتِ سرورِ عالمؐ** کے نام سے دو شان دار جلدیں (اگرچہ کام مکمل نہ ہو سکا) اور حدیث و سنت کی خدمت کے حوالے سے **تفہیم الاحادیث** کے نام سے متنِ حدیث، ترجمہ مع تخریج آٹھ جلدیں (دین یا اسلام کے جملہ موضوعات پر محیط) پیش کر دیں۔ **تفہیم القرآن** کی مجلدات اور اسلامی موضوعات پر ان کی دیگر تصنیفات میں یہ خوبی پائی جاتی ہے کہ ہر جگہ امت مسلمہ کے مجموعی موقف سے انحراف کیے بغیر موضوعات سے انصاف کیا گیا ہے۔ اسی طرح سیرت نبوی قرآنی پر مولانا عبد الماجد دریا بادی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب **خطباتِ ماجدی** (اگرچہ خود ان کی اپنی تصریح بلکہ دراصل ان کی شرافت وکسر نفسی کے مطابق) بہت کچھ ترمیم واضافہ چاہتی تھی، لیکن بہ صورت موجودہ ان کی مختصر کتاب اپنے موضوع پر ایک مفید، مقبول اور وقیع کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے اب تک متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں اور مشہور زمانہ مجلے **نقوش** لاہور کے "رسول

۲۴- دیکھیے: عبد الماجد دریابادی، **خطبات ماجدی یا سیرۃ نبوی قرآنی**، ۵-۶۔

۲۵- نفس مرجع، اختتامیہ (مرقومہ جنوری ۱۹۵۸ء) میں تحریر فرماہیں: "ابھی چند سال ہوئے ۱۹۵۱ء میں ایک کتاب **مختصر سیرت قرآنیہ** کے عنوان سے ایک الہ آبادی ایم اے مقیم دہلی کے نام سے نکلی ہے۔ اس کے نام سے بڑی توقعات قائم ہوئی ہیں، لیکن پڑھ کر اسی درجہ میں مایوسی بھی ہوئی ہے اور آیات قرآنی کو جس طرح توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے اس سے ہر صاحب ایمان اور ہر طالب علم کا ذوق انکار کرتا ہے۔" (۲۶۴)۔

نمبر"(۱:۲۳۲ -۳۰۲) کی بھی زینت ہے۔[۲۶] جہاں تک مولانا محمد اجمل خان کی **ترتیب نزول قرآن** اور **سیرت قرآنیہ** کا تعلق ہے تو ان کتابوں نے بھی برصغیر کے علمی دینی سماجی حلقوں میں گوناگوں اثرات مرتب کیے۔ مثلاً **ترتیب نزول قرآن** کے پاکستان ایڈیشن میں ہم مولانا سعید الرحمٰن علوی کا تبصرہ اور توصیفی رائے پہلے نقل کر چکے ہیں۔ بہ ہر حال قارئین کی ایک بڑی تعداد اس کتاب کو بھی میسر آگئی جس نے جناب اجمل خان کی خدمت قرآنی کو سراہا۔ ان کے پیش کردہ مواد اور ان کی فکر کو پسند کیا اور جوش و خروش کے ساتھ ان کے مؤید و حامی بن گئے۔ اس حلقے میں آزاد خیال، وسیع المشرب حضرات، تجدد پسند طبائع، جدید سائنٹفک عہد کے ترقی پسند، مارکسی ذہن والے، اشتراکیت کے دل دارہ، انقلابی فکر و نظریات کے شوقین، مستشرقین یورپ کے قائلین، پرانی باتوں کی نئی تعبیریں چاہنے والے، ان کی طرف زیادہ مائل ہوئے۔ ان کے لیے یہ پسندیدگی ہنوز قائم ہے اور محمد اجمل خان ان کے نزدیک بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔[۲۷]

البتہ دوسری طرف سنجیدہ علمی دینی حلقہ علما، مفسرین، محدثین، محققین کا گروہ ایسا بھی تھا جس نے مولانا اجمل خان کی کاوشوں یا جسارتوں کو پسند نہیں کیا، سب سے اہم اور مرکزی مبحث "ترتیب نزول قرآن" ہی دراصل جناب اجمل خان اور امت کے اجماعی موقف کے مابین وجہ تفاوت تھا۔ نیز ضخیم کتاب کی وسعتوں میں جگہ جگہ موضوعات و مندرجات کا مسلمہ عقائد و نظریات سے انحراف وجہ اضطراب بنا، متعدد اصطلاحات کو نئے نئے معانی پہنائے گئے ہیں، ایسے متفردات کی بھی بڑی تعداد ہے جو متدین علماے سلف و خلف کی تصریحات سے متصادم ہیں، نیز معجزات سے انکار وغیرہ وغیرہ ایسے امور ہیں (جن کی مثالیں آئندہ صفحات میں جائزہ کے دوران سامنے آئیں گی)، جن سے عوام و خواص امت، علما و صلحا سب نے بے چینی محسوس کی، نتیجتاً محمد اجمل خان کی عظیم و ضخیم **سیرت**

۲۶- محمد طفیل، (مدیر)، **نقوش رسولؐ نمبر**، لاہور، شمارہ نمبر ۱۳، (دسمبر ۱۹۸۲ء)، ۱: ۲۳۲ -۳۰۲۔

۲۷- مثلاً اجمل خاں صاحب کے ایک مداح اور پیرو کار بزرگ، جناب عبید اللہ سندھیؒ کے صحبت یافتہ، فکر اجملی کے علم بردار جناب الطاف جاوید صاحب نے اجمل خاں صاحب کی قرآن فہمی اور سیرت نگارانہ کاوشوں کی حمایت و قدردانی میں دو ضخیم کتابیں پیش کی ہیں۔ ایک **انقلابِ مکہ** اور **فہمِ قرآن کے جدید مناہج** (مطبوعہ لاہور: نگارشات، ۱۹۹۶ء طبع اوّل) اور دوسری **انقلاب مکہ سیرت نبویؐ نزول قرآن کی روشنی میں** (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۲ء) اوّل الذکر کتاب کا انتساب امام انقلاب حضرت عبید اللہ سندھیؒ کے نام ہے جب کہ پیش لفظ میں اجمل خان صاحب کی تحقیق کو ترتیبِ نزول پر اس عہد تک کیے گئے کام میں سب سے احسن اور اکمل اور حقیقی ترتیب کے انتہائی قریب قرار دیا گیا ہے۔ (۵۶)۔ کتاب کا حصہ چہارم (اٹھارواں باب) تمام تر اجمل خان صاحب کے من و عن اقتباسات پر مبنی ہے (دیکھیے: ۲۴۹)۔

قرآنیہ قبول عام حاصل نہ کر سکی، بلکہ ایک درجے میں ناپسندیدہ ٹھہری۔ اس کا کچھ اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا کہ ۱۹۵۱ء میں جب **سیرت قرآنیہ** کا خلاصہ شائع ہوا تو ملخص کو دیکھ کر ہی اس کی ثقاہت کے بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار کیا گیا، مثلاً مولانا عبد الماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے دیکھتے ہی اچھی رائے کا اظہار نہیں کیا اور مایوسی کے ساتھ اسے بہت ہی تنگ اور محدود بلکہ غلط نقطۂ نظر کا حامل قرار دیا۔[۲۸]

محمد اجمل خان کی کتاب **ترتیب نزول قرآن** جو ان کی کتاب **سیرت قرآنیہ** میں بھی شامل ہے، امت کے دوسرے علما وفضلا کے لیے بھی باعث تشویش ثابت ہوئی، مثلاً اس زمانہ کے مشہور عالم، محقق ومصنف مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک عزیز شاگرد مولوی غلام ربانی نے ۱۱۱/صفحات کی ایک کتاب **تدوین قرآن۔۔۔ قرآن کے تحفظ پر ایک تاریخی نظر** کے نام سے شائع کی جو اپنے ظاہر وباطن دونوں اعتبار سے درحقیقت اجمل خان صاحب کی ۱۱۸صفحات والی **ترتیب نزول قرآن** کا شافی جواب تھی اور جو بادئ النظر میں ان کے استاذ مولانا مناظر احسن کے افادات، محاضرات، ملفوظات وتحریرات سے اس درجہ آراستہ تھی کہ اگر اسے ان کے استاد کی تحریر کہا جائے تو غلط نہ ہوگا، بلکہ ۱۵/ستمبر ۱۹۵۰ء میں اس کتاب پر تعارف لکھتے ہوئے آں محترم نے اسے خود اپنی کتاب کا "جوہری خلاصہ" قرار دیا ہے[۲۹] اور لکھا ہے کہ "اسلام پر نازک ترین وقت کا خطرہ سامنے آگیا ہے۔" نیز (اجمل خان صاحب کی کتاب اور ان کے موقف کی مضرت پر تشویش کے طور پر) رقم طراز ہیں کہ "اسلام پر نازک ترین وقت کا خطرہ سامنے آگیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس نازک گھڑی میں یہ مختصر رسالہ بھی ان شاء اللہ کافی کارآمد ثابت ہوگا۔ کم از کم اسلام کی اساسی کتاب جس پر اس دین کی بنیاد قائم ہے اس پر تو شک وشبہ کی گرد اچھالنے میں ان شاء اللہ اب کوئی بد اندیش کامیاب نہیں ہو سکتا"۔۔۔۔۔۔واللہ يقول الحق وهو يهدي السبيل.[۳۰]

۲۸۔ مولانا عبد الماجد دریابادی کا تبصرہ حاشیہ نمبر ۲۵ میں نقل کیا جا چکا ہے۔

۲۹۔ چناں چہ مولانا سید مناظر احسن گیلانی رقم طراز ہیں: "مولوی غلام ربانی نے اس فقیر سراپا تقصیر کی جگر کاویوں اور دماغ سوزیوں کے ان نتائج کو بڑے پاکیزہ اسلوب اور دلنشین تعبیر میں اس کتاب کے اندر جمع کر دیا ہے، اگرچہ فقیر نے بھی اس عنوان پر مستقل کتاب لکھی ہے لیکن جہاں تک میرا خیال ہے میری کتاب کے اس "جوہری خلاصہ" کے شائع ہو جانے کے بعد اب اصل کتاب کی اشاعت کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہی ہے کیوں کہ اس ضخیم کتاب کے اکثر جوہری حقائق اصولی مشتملات اس مختصر کتاب میں محفوظ ہو گئے ہیں۔ (گیلانی، **تدوین قرآن**، تعارف از مولوی غلام ربانی، ۶-۷)۔

۳۰۔ نفس مرجع، ۷۔ اس تشویش کا اظہار کتاب کے اندر بھی کئی جگہ بالکل صاف ہے، مثلاً ص ۸۹ پر لکھا ہے کہ "مگر عجیب بات ہے کہ غیر تو غیر خود مسلمانوں کا ایک طبقہ جو قرآن کو خدا کی کتاب مانتا ہے ادھر کچھ دنوں سے اسی لایعنی، غیر ضروری مشغلے

بیسویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں سیرتِ نبوی قرآنی کے حوالے سے سیرت نگاری کا اردو زبان میں عمومی ارتقائی جائزہ مکمل کرتے ہوئے یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ یہی زمانہ عربی ادبِ سیرت میں بھی اسی قدر اہمیت رکھتا ہے جب کہ (اسی زیر بحث دور، یعنی ۴۰/۵۰ کی ان دہائیوں کے درمیان) مشہور مصری عالم و مصنف جناب محمد عزت دَرُوَزہ کی (دو جلدوں پر مشتمل ضخیم کتاب) **سیرۃ الرسول من القرآن** زیور طبع سے آراستہ

میں یورپ کے مستشرق نما پادریوں کے اغوائی اشاروں سے الجھ گیا ہے، خود بھی اس میں الجھا ہوا ہے اور چاہتا ہے کہ جس مسئلہ کا مسلمانوں کے دل پر کسی زمانہ میں کبھی کسی قسم کا خطرہ نہیں گزرا تھا اس میں ان کو بھی الجھادے، بڑھتے ہوئے بعض تو یہاں تک پہنچ کر کہنے لگے کہ قرآن کا مطلب ہی مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آسکتا جب تک کہ موجودہ ترتیب کو الٹ پلٹ کر نزولی ترتیب پر قرآن کو مرتب کر کے نہ پڑھا جائے"۔ ایک اور جگہ مؤلف رقم طراز ہیں کہ "قرآن کی بھی واقعی شکل اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ جس حال میں پیش کرنے والے نے دنیا کے حوالے قرآن کو کیا بس یہی قرآن کی اصلی شکل ہے، یہی سمجھا بھی گیا، ابتدا سے اس وقت تک اسی شکل میں قرآن نسل در نسل سے منتقل ہوتا چلا آرہا ہے، یہ ایک واضح کھلی ہوئی بات ہے لیکن کچھ دن سے یورپ کے مستشرقین نے دنیا کو قرآن کے متعلق ایک خاص مسئلہ کی طرف متوجہ کیا، یعنی اس کتاب کی تمام سورتوں کی ہر ہر عبارت کا فقرہ کب نازل ہوا اس کا پتا چلانا چاہیے۔ باور کرایا جاتا ہے کہ قرآن کی صحیح مرتب شکل وہی ہو سکتی ہے جو نزول ترتیب کی روشنی میں قائم کی جائے۔" (۸۷)۔

علاوہ بریں اجمل خان صاحب کی کتاب سے ہی نولڈیکے، ہرش فیلڈ کے چند اعتراضی فقرے نقل کر کے (جن سے خود اجمل خان صاحب کے نقطۂ نظر کی تغلیط ہو جاتی ہے۔) مذکور ہے کہ "بہر حال اتنی بات درست ہے کہ ان روایتوں کی مدد سے سورتوں کی کافی تعداد کے متعلق اس کا پتہ چلا لیا گیا ہے کہ وہ مکہ میں اتری تھیں یا مدینہ میں اور تھوڑی بہت آیتوں کے متعلق بھی کوئی چاہے تو اس قسم کی معلومات فراہم کر سکتا ہے، لیکن ان ساری معلومات کے بعد بھی مسلمانوں نے نہیں، بلکہ یورپ کے ان ہی پادریوں نے جو آج کل استشراق کی نقاب چہروں پر ڈال کر یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ بجائے دینی عصبیت کے ان کے کاروبار کا تعلق صرف علمی تحقیقات ہے۔ ان ہی مستشرقین کا یہی طبقہ دوڈھائی سو سال کی کاوش کے بعد اس نتیجہ تک پہنچا ہے کہ صحیح ترتیب نزول کا معلوم کرنا ناممکن ہے۔ (نولڈیکی)۔(۹۱)۔ تمام بحث و نظر کا حاصل یہ ہے کہ "بہر حال قرآن کی موجودہ ترتیبی شکل تواتر اور توارث کی زنجیروں سے جکڑی ہوئی ہے، ایک ایسی قطعی حقیقت کے متعلق نزولی ترتیب والی ایسی روایتوں کی مدد سے ترمیم پر آمادہ ہو جانا جن کی سند کو حدیثوں کی صحت کے مقررہ معیار پر پورا اترنا آسان نہیں ہے، جنون نہیں تو اور کیا ہے" (۱۰۵)۔ مولوی غلام ربانی کی کتاب میں جمع و تدوین قرآن کی جو سرگزشت بر بنائے اندرونی بیرونی شہادتوں کے (۱۶–۷۳) بیان کی گئی ہے، وہ اجمل خان صاحب کی ترتیب نزول قرآن میں پائے جانے والے تمام شبہات، سوالات، مغالطات، کا احاطہ کرتی ہے، جس کی تفصیل اس مختصر مقالے میں ممکن نہیں۔

ہوئی۔[۳۱] مقدمۂ کتاب میں مؤلف کے بیان کے مطابق اگرچہ اس کی تکمیل رمضان ۱۳۵۹ھ، اکتوبر ۱۹۴۰ء میں ہوچکی تھی (یعنی مولانا اجمل خاں کی **ترتیب نزول قرآن** اور **سیرت قرآنیہ** کی اشاعت سے پہلے) تاہم وہ طباعت واشاعت کے مراحل سے ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء میں گزری، بلکہ ان جیسے زود نویس مؤلف کے قلم سے اس کی مثنیٰ **عصر النبي ﷺ وبيئته قبل البعثة**، طباعت کے اعتبار سے، دمشق سے ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء میں ہی منظر عام پر آگئی تھی[۳۲] جو گویا کتاب **سیرت قرآنی** کے لیے تمہید، مقدمے اور پس منظر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں بھی فاضل مؤلف نے زمانہ قبل بعثت مبارکہ کو قرآن کی روشنی میں ہی دیکھا ہے۔[۳۳]

جناب عزت دروزہ کی کتاب **سيرة الرسول من القرآن** دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے جیساکہ پہلے لکھا گیا۔ مجموعی طور پر جلد اوّل مکی دور سیرت سے بحث کرتی ہے۔ کتاب کی دوسری جلد مدنی عہد سیرت کا احاطہ کرتی ہے۔ مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب متعدد خصائص رکھتی ہے جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱- قرآن سے روشنی اخذ کرنے کے لیے قرآن میں پائی جانے والی مکی اور مدنی سورتوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ترتیب نزولی کی وضاحت کے لیے جدول مرتب کرکے فہرست مختلف روایات کے حوالوں سے مرتب کی ہے۔ (آئندہ صفحات میں ہم ان شاء اللہ یہ فہرست نقل کریں گے اور ساتھ ہی مولانا اجمل خان کی دریافت کردہ ترتیبِ نزول کا فرق سامنے لائیں گے)۔

۲- مکی مدنی آیات کے ضمن میں مضامین کی درجہ بندی بھی کی گئی ہے، کیوں کہ یہ واضح ہے کہ ایسی آیات بھی ہیں جن میں سیرت کا ذکر مقصود بالذات ہے اور ایسی بھی ہیں جن میں ضمناً ذکر ہے۔ یا اس کا اشارہ کنایہ پایا جاتا ہے۔ بعض آیات سے آپ ﷺ کے موقف کا پتا چلتا ہے یا بعض آیات سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ اور رب العالمین کے درمیان کیا معاملہ پیش آیا، آپؐ نے اپنے رب سے کیا کچھ پایا، کون سا وعدہ کیا گیا، امر ونہی کی تفصیل، کوئی تعلیم، تشریح، تادیب ہے یا کوئی قصہ یا واقعہ، دعوت یا

۳۱- محمد عزت دروزہ، **سيرة الرسول؛ صور مقتبسة من القرآن الكريم**، (قاہرہ: الاستقامة، ۱۹۴۸ء/ ۱۳۶۷ھ)۔

۳۲- کتاب کا پورا نام ہے: محمد عزت دروزہ، **عصر النبي ﷺ وبيئته قبل البعثة، صورمقتبسة من القرآن الكريم، دراسات وتحليلات قرآنية**، (بیروت: دار اليقظة العربية للتأليف والترجمة و النشر، ۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۴ء)۔

۳۳- کتاب بہت ضخیم دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد مکی دور اور دوسری مدنی دور کے ذکر پر مشتمل ہے۔

جہاد و قتال کا حکم ہے؟ ان کے نزدیک یہ معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن کریم کی کن آیات و سور میں کس حد تک شخصیت نبویؐ کا بیان و تفصیل ہے، مثلاً کن آیات میں آپ کی تکریم کی گئی ہے وغیرہ وغیرہ۔

۳۔ کتاب میں ہر موضوع پر کافی تفصیل سے کام لیا گیا ہے۔ آیات و سور کے متعلقہ اقتباسات کے بجائے، آیت، سورہ وغیرہ کا بڑا حصہ پوری طرح نقل کر دیا گیا ہے جس سے کتاب کا حجم بہت بڑھ گیا (اگر اطناب و تفصیل کے بجائے اختصار و اجمال کا طریقہ اختیار کیا جاتا تو نفس مضمون کی وضاحت بھی ہو جاتی، شانِ جامعیت بھی پیدا ہو جاتی اور ضخامت بھی مناسب حد تک کم ہو جاتی)۔

۴۔ مجموعی طور پر ضخیم ہونے کے باوجود (جلد اوّل ۳۱۸ صفحات اور جلد دوم ۳۹۹ صفحات، بڑا سائز، کل ۷۱۷) پیش کش معیاری، زبان و بیان اعلیٰ، موضوعات کا انتخاب اور ترتیب میں سلیقہ پایا جاتا ہے۔ اس کی نمائندہ مثالوں میں جلد اوّل کی فصل في شخصية النبي عليه الصلوٰة والسلام (ص۱۳) اور اس کے ذیلی مباحث (تا ص۱۲۹) جب کہ جلد دوم میں مدنی دور کا ذکر ہے اور آخری باب، ہفتم فصل: التشريع القرآني وصلته بالسيرةالنبوية (ص۳۰۷) اور اس کے ذیلی مباحث (تا ص ۳۷۳) وغیرہ۔

۵۔ کتاب اس لحاظ سے اسم بامسمٰی ہے کہ مصنف نے بیانِ سیرت میں قرآن کریم سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور تائید و تفصیل میں آیات و سور کو کثرت سے نقل کیا ہے۔ اپنے موضوع سے انصاف کرتے ہوئے مؤلف نے اس بات کا اہتمام برتا ہے کہ مباحث کے دوران میں امت کے مجموعی موقف کا احترام قائم رہے اور اجماعی آرا سے انحراف نہ کیا جائے۔ اس اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس زمانے میں جب کہ ایک طرف برصغیر میں مولانا محمد اجمل خاں کی کتاب **سیرتِ قرآنیہ** میں متجددانہ رنگ میں مجتہدانہ نقطۂ نظر اختیار کرتے ہوئے **سیرتِ نبویؐ** کا نیا نقشہ پیش کر رہی تھی تو دوسری طرف اسی دور اور اس عہد میں مصر اور مشرق وسطیٰ سے متصل ممالک میں جناب عزت دروزہ کی کتاب سیرۃ قرآنیہ روایتی نقطۂ نظر کی حامل اور قرآن سے ماخوذ، سیرت نگاری کا ایک مناسب و متعدل نمونہ علمی دنیا کی زینت بن رہا تھا۔[۳۴]

۳۴۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کو اپنی کتاب **خطبات ماجدی / سیرۃ نبوی قرآنی**، پریس کو طباعت کے لیے حوالہ کرتے وقت جناب عزہ دروزہ کی مذکورہ کتاب سیرۃ **الرسول**ؐ بہت کچھ مشکلات عبور کرنے کے بعد دست یاب ہو گئی

بہ ہر حال اس تعارف و تبصرے اور بیسویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں سیرت نبویؐ قرآنی کے حوالے سے سیرت نگاری کے ارتقا کا جائزہ لیتے ہوئے ہم بالآخر اس منزل تک پہنچ گئے ہیں کہ مولانا محمد اجمل خان کی **سیرت قرآنیہ سیدنا رسول عربی ﷺ** کا قدرے تفصیلی جائزہ لے کر ادبِ سیرت النبیؐ میں اس کے مقام و مرتبہ کے بارے میں اظہار خیال کر سکیں۔

سیرت قرآنیہ سیدنا رسول عربی ﷺ (از محمد اجمل خان)

کتاب کا مجمل تعارف، اس کا زمانۂ تصنیف، شان نزول، اس کے مؤلف مولانا محمد اجمل خان، اور دیگر متعلقات پر، گذشتہ صفحات میں اگرچہ بہت کچھ تفصیل ذکر ہو چکی ہے، تاہم کتاب کی اہم خصوصیات اور نمایاں پہلوؤں کا جائزہ بہ ہر حال ناگریز معلوم ہوتا ہے:

۱- **کتاب سیرتِ قرآنیہ** (تقریباً ۷۰۰ صفحات پر مشتمل) ایک ضخیم کتاب ہے (جس کے مندرجات کی فہرست ہی ۱۳ صفحات (ص ۷ تا ص ۲۰) پر پھیلی ہوئی ہے)۔ کتاب کی روداد اور شان کو حرف اوّل کے موضوع کے تحت (ص ۲۱ تا ص ۲۷) بیان کیا گیا ہے۔ کتاب کو (جو قرآن و سیرت کے تاریخی مطالعہ کی حامل ہے) "اسلام" کی نذر کر کے انتساب کا تقاضا پورا کیا ہے (ص ۲۹)۔ کتاب **سیرتِ قرآنیہ** بجائے خود تین کتابوں کا مجموعہ ہے۔ چوں کہ مولانا اجمل خاں کا اصل کارنامہ **ترتیب نزول قرآن** ہے جس کی بنیاد پر **سیرت قرآنیہ** کی ترتیب و تسوید عمل میں آئی، نیز **ترتیب نزول قرآن** کی دریافت میں جس علمی تیاری، ماحول و تربیت اور خاص ذہنی فضا کی ضرورت تھی، وہ انھیں بنگال کے سرسبز و شاداب خطے میں واقع شانتی نکتین کے تین سالہ قیام کے دوران، جامعہ ملیہ دہلی میں، شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ، شارح فکر ولی اللہی مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی صحبتوں سے میسر آ چکا تھا (اس لیے گذشتہ تعلیم و تربیت کا ثمرہ جب کتاب **سیرت قرآنیہ** کی صورت میں سامنے آیا)، ان فکری نتائج کا اظہار، اس کے شروع کی پہلی کتاب میں بہ طور مقدمہ یا پس منظر (۳۱-۱۰۷) شامل ہے۔ جب کہ مولانا اجمل خان صاحب کا اصل تھیسس (Thesis) اور قرآن کے بارے میں ان کے نظریات دوسری کتاب کی حیثیت سے (۱۰۸-۱۴۸) شامل ہے۔ پھر کتاب اوّل و دوم کی

تھی، لیکن ایسے وقت میں ملی کہ وہ اس سے استفادہ نہ کر سکے۔ چنانچہ دیباچے میں مولانا موصوف نے خود تحریر فرمایا کہ "یہ کتاب اگر شروع میں مل گئی ہوتی تو اس سے رہ نمائی بہت کچھ حاصل ہو گئی ہوتی۔" (٦)

بنیاد پر تیسری کتاب وہ اصل "سیرت الامینؐ" ہے جو ص ۱۴۹ سے ص ۶۳۱ تک پھیلی ہوئی ہے۔ کتاب میں شامل اختتامی دو فصلیں (دیباچے کے حرف اوّل سے ہم آہنگ) حرف آخر کے عنوان سے کتاب کی تکمیل کر دیتی ہیں (جو ص ۶۳۲ سے ص ۶۹۱ تک محیط ہیں)۔ چوں کہ تینوں کتابیں ایک دوسرے سے مربوط و متعلق اور باہم دگر منطبق ہیں، اس لیے چند نکات، مضامین، باتوں کی جگہ تکرار دیکھی جاسکتی ہے۔

۲- **سیرتِ قرآنیہ** میں شامل پہلی کتاب میں (غالباً سیرت پیغمبر اسلام کی مناسبت سے) اسلام پر (بہ طور پس منظر) مختصر بحث کی گئی ہے۔ اس کی چھ فصلیں ہیں، لیکن آغازِ کلام سے پہلے وہ علامہ رشید رضا مصری کی کتاب سے چند سطروں کا ایک ایسا اقتباس نقل کرتے ہیں (جو بدیہی طور پر بے محل / غیر ضروری معلوم ہوتا ہے) جس میں مسلمانوں کو یہ احساس دلایا جائے کہ مسلمان اپنے آپ کو اہل یورپ کے سامنے دعوت اسلام پیش کرنے کے اہل ثابت کرنے میں شرمندگی محسوس کر رہے ہیں۔[۳۵]

فصل نمبر ۱ میں جناب مؤلف نے اسلام کو محض "خدا کی بندگی" کا ہم معنی سمجھتے ہوئے گفتگو کی ہے جو ظاہر ہے کہ قرآن، حدیث، لغت کی رو سے سرسری، ناکافی، نامکمل بحث ہے۔ البتہ اسے مؤلف نے مفید مطلب سمجھتے ہوئے شامل کیا ہے۔[۳۶] فصل نمبر ۲ میں دین دھرم مذہب کے معانی بیان کیے گئے ہیں۔ ان کے نزدیک دین، مذہب، راہ دستور، کتاب، قانون، ہم معنی ہیں۔ وہ ادیان و مذاہب میں الہامی اور غیر الہامی دین / مذہب کی تقسیم نہیں کرتے، بلکہ اپنے طور پر ادیان کو دو خانوں میں رکھتے ہیں، ایک وہ جو خدا کی بندگی سکھاتا ہے، اعتدال، قسط کی راہ صراط مستقیم، سواء السبیل کا حامل ہے جب کہ دوسرے قسم کے ادیان نفس امارہ، شیطان کی غلامی بندگی سکھاتے ہیں۔[۳۷] یہ فصل بھی نامکمل، سرسری بیان، ادھوری حقیقت ہے جب کہ ہر عنوان سے مستند حوالہ جات کی ضرورت تھی۔ جناب مؤلف نے غالباً الہامی غیر الہامی تمام ادیان و مذاہب کو داخل حسنات کرنے کے لیے اسلام کی بہ حیثیت دین امتیازی حیثیت کو دانستہ واضح نہیں کیا، نہ اس موضوع پر قرآن سے کوئی استفادہ کیا، حتیٰ کہ إن

۳۵- دیکھیے: اجمل خان، سیرت قرآنیہ، ۳۱۔

۳۶- ملاحظہ ہو: (خاک سار کا تفصیلی مضمون) نثار احمد، "اسلام کا مفہوم ازروئے لغت قرآن و حدیث"، ماہنامہ **ترجمان القرآن**، لاہور، (مارچ ۱۹۶۵ء)۔

۳۷- اجمل خان، **سیرت قرآنیہ**، ۴۹۔

الدین عند اللہ الإسلام کا بھی حوالہ نہیں دیا۔ فصل نمبر ۳ مختلف اقوام کے مذاہب کے بارے میں ہے اور بیان وتفصیل، اسناد وحوالوں سے عاری اور حسب ضرورت نتائج بر آری کے لیے محض سطحی معلومات سے کام چلایا گیا ہے۔

مختلف مذاہب اور ان کی کتابوں کا تذکرہ اور ان کے اپنے خیال میں ہندوستان کے خدا پرست آرین مصلح وغیرہ کا ذکر کر کے گویا وحدتِ ادیان کا نظریہ پیش کیا گیا ہے (ص۳۶)۔ فصل نمبر ۴ میں تمدن عالم پر ایک نظر ڈالی گئی ہے۔ اس سلسلے میں کمال ہنر سے مختلف النوع باتوں کو خلط ملط کر دیا گیا ہے، مثلاً حمورابی، بعل پرستی، حضرت موسیٰؑ نے قوم کو آزادی دلوائی، عزیز پرستی، غلام سازی، قربانی، مہاتیر، عدم مساوات، فیثاغورث، لاوتزے، کنفیوشس، سکندر، اشوک، باختر، بلخ، آتش کدہ، نوبہار، مانی مزدک، یولومن، نوشیروان عورت، غلام، پاپائیت وغیرہ (ص۳۷)، ان میں ہر عنوان تفصیل وجواز کا متقاضی ہے، لیکن مختصر ترین سطح پر لا کر ان کی اہمیت کو کم سے کم کر دیا گیا ہے۔ فصل نمبر ۵ میں عرب جاہلیت کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس موضوع کو سیرۃ النبیؐ کا حقیقی پس منظر کہا جاسکتا ہے، لیکن افسوس جائزہ علمی لحاظ سے معیاری نہیں اور نہ ہی قرآن کی روشنی میں اسلام وجاہلیت کا تقابل کیا گیا ہے۔[۳۸] اسلام اور جاہلیت کے حدود (مظاہر) کا تعین بھی کیا جانا ضروری تھا (ص۳۸)، کیوں کہ آئندہ کی تمام تر تفصیلات کا ماحصل اسلام اور کفر پر مبنی سمجھا جاسکتا ہے۔ معین، سبا، حمیر، اہل حبشہ کے بعد ابرہہ کے حوالے کئی جگہ مذکور ہیں۔[۳۹] لیکن تمام مقامات پر نہ اصحابِ فیل کا قرآنی حوالہ (سورۃ الفیل) ہے نہ واقعے کا معجزہ الٰہی یا عذاب خداوندی کے طور پر اس کا ذکر کیا گیا ہے۔[۴۰] فصل نمبر ۶ کا عنوان اگرچہ مکہ (مکرمہ) ہے، لیکن اس کی

۳۸۔ جاہلیت اور عرب جاہلیت پر مفصل بحث کے لیے دیکھیے: نثار احمد، "جاہلیت (لغوی معنی قرآنی، اصطلاحی مفہوم، تعریف، اطلاقات)"، **السیرۃ عالمی**، کراچی، شمارہ ۱۲ (رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ / اکتوبر ۲۰۰۴ء)، ۲۱-۵۴۔

۳۹۔ ابرہہ کے حوالے کئی جگہ مذکور ہیں، مثلاً ایک جگہ ہے "مکہ کے بت خانہ کو ڈھانے کے لیے حبشی گورنر ابرہہ نے مکہ پر ۵۳۵ء میں حملہ کر دیا لیکن فوج میں چیچک کی وبا پھیل گئی اور لشکر تباہ ہو کر ناکام واپس ہو گیا (۸۴)۔ ولادت باسعادت سے پچپن دن پہلے یعنی ابتدائے محرم (اپریل ۵۷۰ء) میں ابرہہ گورنر یمن نے ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ بت خانہ کعبہ کو ڈھا دینے کی غرض سے حملہ کیا تھا (۱۵۲)۔ ایک جگہ ابرہہ گورنر یمن کا حملہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت سے چالیس سال پہلے لکھا ہے (۱۶۵)۔

۴۰۔ مؤلف نے کسی جگہ سورۃ الفیل کی روشنی میں واقعہ نقل نہیں کیا، حتیٰ کہ بنو کنانہ کے ایک شخص کا صنعاء / یمن کے مسیحی گرجا گھر کو نجس کرنے کا واقعہ ان کے نزدیک "مذہبی" وجہ سے نہیں تھا، بلکہ تجارتی / اقتصادی محرک کے سبب تھا، چناں چہ لکھتے

تفصیل گویا ایک کہانی کی مانند ہے۔ چناں چہ جناب مؤلف نے دنیا کے بہت سارے شہروں، تجارتی مراکز، مذہبی اور علمی آستانوں کا شمار کرتے ہوئے مکہ کو بھی شامل کر لیا ہے۔ پھر انتہائی فلسفیانہ اسلوب اختیار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ "یہ تصوراتی اشیا پہلے کاشی، دہلی، بنارس پہنچیں، اور دریائے نیل کے پانی نے زمزم سے اور زمزم کے پانی نے گنگا جل سے مل جل کر جو توحید بنائی وہ توحید وجودی کہلاتی ہے یعنی اس میں ہر مشروب کی کیفیت اور ہر پھول کی خوشبو ہے۔ اس اختلاط تصورات سے جو تصوف تیار ہوا اس میں وحدت وجودی بھی ہے اور وحدت شہودی بھی۔"[۴۱] اسی سلسلۂ کلام میں جب وہ کاشی یا اتی مکہ کا عنوان دے کر ایک طرف تو کاشی (موجودہ بنارس) کی غیر معمولی تقدس اور اہمیت بیان کرتے ہیں[۴۲] اور پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "اس شہر کا قدیم نام اتی مکہ یا "نجات کی جگہ" ہے۔ ہندوؤں کا یہ بھی قول ہے کہ مکہ (حجاز) بھی مکہ یا مکشہ بمعنی نجات کی جگہ ہے۔"[۴۳] تو اس سے ان کی کیا مراد ہے؟ کیا خدا نہ خواستہ وہ اسے کعبۃ اللہ کے مقابل لانے کی جسارت کر رہے ہیں؟ أستغفر الله العياذ بالله.

کاشی اور کعبۃ اللہ کا کیا مقابلہ؟ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ جناب مؤلف کا وحدتِ ادیان کا جوش اور قیاس مع الفارق کے نمونے (اس پہلی کتاب کے) اگلے صفحات میں بھی موجود ہیں (لیکن خاک سار نقل کی ہمت نہیں پاتا)۔

۳- دوسری کتاب۔ قرآن اور اس کے متعلقات (خصوصاً ان کی پرانی تحریر اور اصل موقف تاریخ قرآن، جمع قرآن، قرآن کے طبعی نظام یعنی ترتیب نزول قرآن کے) مباحث پر مشتمل ہے۔ کتاب کل چار فصلوں پر منقسم ہے۔ فصل نمبر ا کا موضوع ہے: "اسلام کا حقیقی مأخذ قرآن ہے۔" عمومی طور پر اس کی صداقت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن اس کے ضمن میں شامل تفصیلات و مباحث میں بہت کچھ مختلف فیہ ہے اور متعدد تفردات کے سبب ناقابل

ہیں: "بنو کنانہ کے ایک شخص نے یہ سمجھا کہ اس کی وجہ سے تو یمن کے تاجر مکہ جائیں گے نہ مکہ کے پجاریوں کی آمدنی ہوگی اس لیے اسے نجس کر دیا۔" (۸۴)۔ نیز مکہ کی اصل اہمیت، خان صاحب کے نزدیک مذہبی نہیں، بلکہ اس لیے تھی کہ "مکہ کل قوموں کا تجارتی مرکز تھا۔" (۱۷۴)

۴۱- ملاحظہ ہو: اجمل خان، **سیرت قرآنیہ**، ۸۸۔

۴۲- نفس مرجع۔

۴۳- نفس مرجع، ۸۹، وہ بھی لکھتے ہیں کہ مکہ عربستان کا قدیم ترین شہر ہے، عربی میں اسے مکہ اور بکہ کہتے ہیں، فارسی میں مہ گہ یعنی چاند کی جگہ اور سنسکرت میں مکتہ یعنی نجات کی جگہ کہتے ہیں، اس شہر کے بیچ میں ایک معبد ہے جس کی بناوٹ مکعب ہے، اس کو کعبہ کہتے ہیں نیز لکھا ہے: "ایک زمانہ میں یہ زحل کیوان (Saturn) کا مندر تھا۔" (نفس مرجع)۔

قبول ہے، مثلاً یہ توضیح ہے کہ قرآن ہی ایسی مقدس کتاب ہے جو اپنے اصل الفاظ میں باقی ہے(ص۱۰۸) لیکن متصلاً سنت کو ایک نئے معانی پہنا کر یہ کہنا درست نہیں کہ "جملہ کتبِ الٰہیہ قبل از قرآن کو سنتِ نبوی ﷺ کا درجہ دینا ضروری ہے(ص۱۰۹)۔ اس کی نہ سند ہے نہ دلیل۔ یہ توضیح بھی ہے: "سنت کیا ہے؟ سنت یعنی عمل رسول، قرآن کے عالمگیر قانون سے مستنبط ہے، قرآنی اصول ناقابل تبدیل ہیں لیکن قرآن کے اصول کی عمومیت جب کسی خاص قوم کے اعمال کا جامہ پہنتی ہے تو اس کے احوال کے مطابق یہ عمومیت ایک خصوصیت کی شکل میں نمایاں ہوتی ہے اور ہر قوم وزمانے کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے یعنی اصل نہیں بدلتی لیکن فرع کی شکل میں وہ قابل تبدیل ہوتی ہے (ص۱۰۹)"۔ اس فصل نمبر۱ میں شامل دیگر مباحث ایسے ہیں جن کو فاضل مؤلف اگر قرآن وسنت کے مطابق بیان کرتے تو خود کتاب کے نام وعنوان سے متبع مانا جاتا اور ہر لحاظ سے قابل ترجیح ہوتا لیکن افسوس محض اقوال حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور اَمالی مولانا عبید اللہ سندھی پر اکتفا کیا گیا ہے، مثلاً قرآن کا مقصد امالی عبیدیہ کے مطابق بتایا گیا ہے۔[44] "قرآن کا حکم چلانے والی طاقتور حکومت پیدا کی جائے(ص۱۱۰)۔"[45] اس قول کی

44- تعجب ہے کہ قرآن کا اپنا تعارف جو قرآن کے مقدس صفحات پر جگہ جگہ جگمگا رہا ہے اور تمام پہلوؤں سے کافی ہے، فاضل مؤلف نے ان سے استفادہ ضروری نہیں سمجھا، یہاں تفصیل ممکن نہیں، تاہم مثلاً علامہ وحید الزماں کی **تبویب القرآن** (لاہور،۱۹۸۳ء) (۱۷۰:۱-۲۲۷) میں ۱۴۲ آیات کو ایک ہی جگہ قرآن کی صفات کا بیان قائم کر کے جمع کر دیا ہے۔ چناں چہ قرآن کا مقصد ومدعا بھی واضح ہے مثلاً بنیادی طور پر کتاب ہدایت ہے تمام انسانوں کے لیے عموماً اور اہل ایمان، متقین کے لیے خصوصاً(القرآن۲:۱۸۵) بيان للناس هدي وموعظة (القرآن ۳: ۱۳۸) انذار وتبشیر کے لیے(القرآن ۶: ۱۳۸) تدبر وتذکر کے لیے (ص۲۹) تا کہ اس کا اتباع کیا جائے اور تقویٰ شعاری(القرآن۶: ۱۵۵) برہان(القرآن ۴: ۱۷۴) فرقان (القرآن ۲: ۱۸۵)،بصائر (القرآن ۴۵: ۲۰)۔

45- **امالی عبیدیہ** سے اقتباس ظاہر کر رہا ہے کہ قرآن کا حکم چلانے والی طاقت ور حکومت کے پیدا کرنے کا حکم بربنائے دلیل قرآنی نہیں۔ یہ خود مولانا سندھی کی ذاتی خواہش ہو، یا حالات کی ضرورت۔ خود مولانا موصوف اپنے قیام کابل کے دوران حکومت موقتہ ہند میں بہ طور وزیر ہند، شریک اقتدار ہو کر ذاتی تجربہ حاصل کر چکے تھے۔ حکومت موقتہ ہند کے صدر ایک ہندوستانی رئیس راجہ مہندر پرتاب تھے، مولوی برکت اللہ بھوپالی وزیر اعظم (اور جیسا کہ پہلے لکھا گیا مولانا عبید اللہ وزیر ہند) یہ اس خط کے مندرجات کا انتخاب ہے جو مولانا سندھی نے شیخ الہند مولانا محمود حسن کو تحریر کیا تھا۔ اس خط کے ساتھ جنود ربانیہ کے منصوبے اور منصب داران جنود ربانیہ کی فہرست بھی ہے۔ یہ تینوں چیزیں مولانا سندھی مرحوم کے قلم سے ہیں، انھی تحریروں کی بنیاد پر "ریشمی خطوط سازش کیس" اور مقدمہ قائم کیا گیا تھا۔(مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ابو سلمان شاہجہاں پوری، **مکاتیب مولانا عبید اللہ سندھی** (کراچی: مولانا عبید اللہ سندھی اکیڈمی،۱۹۹۷ء)، ۲۳ -۲۷، خط نمبر۵۔

صداقت ثابت کرنے کے لیے قرآن، سنت، حدیث کی سند درکار ہے۔ اسی سے متصل مولانا سندھی کا یہ فرمان مزید الجھن پیدا کرتا ہے کہ "یورپ نے ہماری اسلامی سلطنتوں کو تباہ کر دیا ہے۔ اب اسے یہ یقین دلانا آسان نہیں ہے کہ قرآن کا قانون چل سکتا ہے" (ص ۱۱۰)۔

یورپ کو قرآن کے قابل عمل ہونے کا یقین دلانا کیوں ضروری تھا؟ اور نفس مضمون سے اس کا کہاں تک تعلق ہے؟ امام انقلاب مولانا سندھی کا یہ انجانا خوف غالباً اپنے زمانہ کے سیاسی، سماجی حالات، ہندوستان پر حکومت انگلشیہ کا راج، ان کی اپنی چوبیس سالہ طویل جلاوطنی کے دوران مارکسی انقلاب اشتراکیت، اور ترکی میں مصطفیٰ کمال پاشا کے انقلاب کا ذاتی عینی مشاہدہ اور یورپی مادی ترقی کے مناظر ان کے پردۂ افکار کو متاثر کرتے رہے۔[۴۶]

اس کتاب کی فصل نمبر ۲ میں جمع القرآن (ص ۹۷) تاریخ القرآن (ص ۹۸) اور فصل نمبر ۳ میں قرآن کا طبعی نظام یعنی ترتیب نزول (ص ۱۲۰ تا ص ۱۲۶) کو زیر بحث لایا گیا ہے، لیکن افسوس کہ ان مباحث میں چند در چند غلط فہمیوں اور تاریخی حقائق کو نظر انداز کر دینے سے فاضل مؤلف ان موضوعات سے انصاف نہیں کر سکے۔[۴۷] چناں چہ ان کی اصل کتاب **ترتیب نزول قرآن کریم** شائع ہونے کے بعد معاصر علما و فضلا کی جانب سے بہ طور رد عمل جو کچھ لکھا گیا[۴۸] اور عہد جدید میں بھی جو صحیح الفکر مواد سامنے آیا،[۴۹] ان کے پیش نظر تاریخ جمع و ترتیب قرآن / تدوین کے سلسلہ میں خاک سار کی معروضات[۵۰] محض تکرار ہوگی اور طوالت کا باعث بھی، اس لیے محض اتنا عرض کرنا کافی ہوگا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نجماً نجماً نازل ہوا، یہاں تک کہ ۲۳ / سال کے عرصے میں مکمل ہوا۔ اس کی کتابت اور تحریری حفاظت

46- مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: شیخ محمد اکرام، **موج کوثر** (دہلی: فرید بکڈپو، س ن)، ۳۴۵-۳۶۶۔

47- اجمل خان، **سیرت قرآنیہ**، ۹۷-۱۲۶۔

48- مثلاً مولانا مودودیؒ نے مقدمہ **تفہیم القرآن** میں، حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی کے افادات / ارشادات / محاضرات / پر مشتمل مولوی غلام ربانی کی مختصر کتاب، **تدوین قرآن** (۱۶-۷۳) جمع و ترتیب قرآن، تاریخ تدوین، ترتیب نزول وغیرہ پر مکمل بحث مولانا اجمل خان صاحب کے اعتراضات، مغالطات، تسامحات، اور نظریات کی مکمل تعقیب اس میں موجود ہے۔

49- مثلاً: محمود احمد غازی، **محاضرات قرآنی** (لاہور: الفیصل، ۲۰۰۵ء)، ۱۰۴-۱۲۴؛ نیز، حافظ احمد یار، **قرآن و سنت: چند مباحث**، ۱۳-۴۳۔

50- دیکھیے: نثار احمد، **سحابِ رحمت** (کراچی: جمعیت الفلاح، ۱۳۸۷ھ)، ۴۸-۵۲؛ اجمل خان، مصدرِ سابق، ۱۲۷-۱۴۸۔

کے لیے صحابہ پر مشتمل کاتبانِ وحی، ہر آن موجود ہوتے تھے، چناں چہ نزول کے ساتھ ہی اس کی کتابت بھی مکمل ہوئی اور عرضۂ اَخیرہ میں (حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پورا قرآن آں حضرت ﷺ اور آں حضرت ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو سنایا، نیز آپ ﷺ کی صحابہ کے سامنے) تلاوت کے ذریعہ قرآن کی ترتیب بھی مکمل اور مشتہر ہوئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں (قرآن کو) بین الدفتین کیا گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد مبارک میں باجماعت تراویح قائم فرما کر تلاوت قرآن کو عام فرمایا اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک لب ولہجۂ قریش پر پوری امت کو متحد و متفق فرمایا، وہی قرآن پاک بہ جنسہٖ متواتراً محفوظ ومامون چلا آتا ہے اور امت مسلمہ میں مروج ومتداول ہے۔ اس قرآن کے بارے میں کبھی کسی نوعیت کا اختلاف واقع نہیں ہوا۔

دوسری کتاب کی فصل چہارم اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس فصل کے تحت تمام سورِ قرآنی کا مجموعی نقشہ، مکی مدنی تقسیم کے ساتھ ذیلی ادوار قائم کر کے آں حضرت ﷺ کی منصبی ذمے داریاں بہ تقابل نزول سور معہ خلاصۂ سورہ، بیان کر دیا گیا ہے۔[۵۱] یہ پورا کا پورا نقشہ مولانا اجمل خان کا ذاتی کارنامہ کہا جا سکتا ہے جس کی ذمے داری بھی ان کی ہے۔ بہ ہر حال نزول کے سلسلے میں زمانہ، موقع و محل کا تعین اور سورت کا ایک جملے میں خلاصہ ایسے امور ہیں جن سے دوسرا محقق اختلاف کر سکتا ہے۔

مثال کے طور پر، ترتیب نزول قرآن کے نقشے میں فصل نمبر ا میں کئی باتیں حل طلب ہیں، مثلاً عنوان: الامام کی توجیہہ اور دورب کی تشریح، اور شامل سورتوں کے مضامین کا واقعاتی تطابق بھی محل نظر ہے۔ نیز سورتوں کے مختلف حصے، رکوع، آیات وغیرہ کا زمانہ نزول مختلف ہے، جنھیں الہامی ہدایت کے مطابق آں حضور ﷺ نے یک جا فرمایا، مثلاً پہلی وحی میں سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات پر سب کا اتفاق ہے جب کہ بعد کی ۲۴ آیات کافی عرصے (بلکہ کئی سال) بعد نازل ہوئیں۔ (چناں چہ سورۃ العلق کے سامنے صرف یہ جملہ کیوں کر کفایت کر سکتا ہے کہ: "صرف ایک آقا ہے جو اکرم ہے، خالق ہے اور علم دیتا ہے"؟ جب کہ سورہ کا دوسرا بڑا حصہ عبد کامل، آقائے رسالت مآب ﷺ اور عبد باغی طاغی ابوجہل کی زندگی، سلوک و کردار کا عکاس ہے۔ یہ صورت حال ہر جگہ پائی جاتی ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع و محل نہیں)۔ علاوہ ازیں یہ کہنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ (جزوی اختلافات کے باوجود) جمہور علما کا ترتیب نزول قرآن کا نقشہ، اپنے مضامین، اور اندرونی شہادتوں کی بنا پر (فاضل

51– اجمل خان، مصدرِ سابق، ۱۲۸۔

مؤلف کے مقابلہ میں) واقعاتی تطابق سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔ ہم بہ طورِ نمونہ سیرت قرآنیہ میں درج فصل اوّل میں شامل چھے سورتوں کا تقابلی نقشہ پیش کر رہے ہیں:

شمار سورت

شمار سورت	بہ ترتیب اجمل خاں معہ ترتیب مصحف	بہ ترتیب خازن	بہ ترتیب مجمع البیان	بہ ترتیب السیوطی	بہ ترتیب ابن عباس	الحسین وعکرمہ	جابر بن زید
۱۔	العلق (۹۶)	العلق (۹۶)	العلق	العلق	العلق	العلق	العلق
۲۔	الضحیٰ (۹۳)	القلم (۶۸)	القلم	القلم	القلم	القلم	القلم
۳۔	الانشراح (۹۴)	المزمل (۷۸)	المزمل	المزمل	المزمل	المزمل	المزمل
۴۔	الفلق (۱۱۳)	المدثر (۷۴)	المدثر	المدثر	المدثر	المدثر	المدثر
۵۔	الفیل (۱۰۵)	اللھب المسد (۱۱۱)	المسد	المسد	المسد	المسد	الفاتحہ(۱)
۶۔	القدر(۹۷)	التکویر (۸۱)	التکویر	التکویر	التکویر	التکویر	المدثر

مندرجہ بالا نقشہ میں مولانا اجمل خان کی ترتیب کے مطابق پہلی سورۃ العلق ہے جسے گویا دوسروں کے نزدیک بھی متفق علیہ حیثیت حاصل ہے۔ معاً بعد الضحیٰ لانے میں اجمل صاحب کے ہاں یہ قرینہ ہو سکتا ہے کہ (اگر فترہ الوحی کے عرصے کو العلق کے فوراً بعد، چند دن تا چند ماہ سمجھا جائے تو) روایات کے مطابق فترۃ الوحی کے فوراً بعد نازل ہونے والی سورت سورۃ الضحیٰ تھی، لیکن باقی چار سورتوں کا موقع و محل، واقعاتی تطابق کے پیش نظر دیکھا جائے تو دوسری روایات کے لحاظ سے القلم، المزمّل، المدثّر اور التکویر کو ترجیح حاصل ہونا انسب معلوم ہوتا ہے (واللہ اعلم بالصواب) اس سلسلے میں مزید تجزیہ وبحث یہاں ممکن نہیں۔

تیسری کتاب۔ یہی کتاب وہ سیرت الامین ؐ ہے جو **سیرت قرآنیہ** کا مرکز ومدّعا اور عمود ہے۔ اس سے پہلے کی دونوں کتابیں دراصل اسی کتاب سیرت کی تمہید اور اس کا پس منظر تھیں اور اس کتاب کے بعد حرف آخر کی دو

فصلیں، اس کا اختتامیہ مرتب کرتی ہیں۔ یہ مرکزی کتاب بجائے خود (ص ۱۴۹ تا ص ۶۳۱) یعنی ۴۸۲ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں کل دس فصلیں ہیں جو نزول قرآن، واقعات کی زمانی ترتیب، اور حیات طیبہ کے منصبی ارتقا کے تمام مراحل کو بھی ظاہر کرتی ہیں۔ یہ بہ ہر حال واضح ہے کہ یہ تمام کام انھوں نے آزادانہ طور پر اپنے مخصوص زاویۂ نظر سے انجام دیا ہے، اس لیے واقعات کی ترتیب، ان کی تعبیر اور ارشادات قرآنی سے ہم آہنگی میں روایتی نقطۂ نظر سے اختلاف کا پایا جانا بعید از امکان نہیں۔ ان فصول عشرہ کا خلاصہ درج ذیل ہے:

فصل نمبر ۱: محمدؐ الامام (دعوت سرّاً) صرف جہل اور بھوک کو ختم کرنے کا پروگرام (ص ۱۷۹) غار حرا پر تحنث (ص ۱۸۳) وحی اوّل سورۃ العلق (ص ۱۸۵) ابتدائی مصدقین (ص ۲۰۲) خفیہ جماعت (ص ۲۰۴)۔

فصل نمبر ۲: محمدؐ المنذر و المزکی (جہری دعوت) اولی النعمہ کی کنجوسی اور پروہتوں پر ضرب شدید (ص ۲۱۰) پہلی پکار (ص ۲۱۳)، دوسری پکار۔ وفد قریش ابوطالب کے پاس۔ (ص ۲۱۹) دوسرا وفد قریش (ص ۲۲۴)

فصل نمبر ۳: محمد ﷺ۔ المذکر والمبشر والہادی، قرآن و نصاریٰ (ص ۲۲۸) ہجرت حبشہ اوّل، دوم، اسلام حمزہ رضی اللہ عنہ، اسلام عمر رضی اللہ عنہ۔

فصل نمبر ۴: محمدؐ المرسل۔ قرآن مظلوماں، مقاطعۂ بنوہاشم بنو المطلب (ص ۳۰۲) شعب کے زمانہ میں قرآن (ص ۳۰۴)

فصل نمبر ۵: رسول اللہ الی العالمین (ص ۳۲۲) شعب سے رہائی، وفات حضرت خدیجہؓ، وفات ابوطالب، حضرت سوداؓ سے نکاح (ص ۳۶۴) بیعت عقبہ اولیٰ (ص ۳۶۷) اسرا یا معراج (ص ۳۶۹) مکی تعلیم کا خلاصہ (ص ۳۸۲)

فصل نمبر ۶: امیر العالمین (ص ۳۹۱) فتح مدینہ، پہلا خطبہ، اصحاب صفہ، یہود مدینہ سے معاہدہ (ص ۴۰۵)

فصل نمبر ۷: سید المجاہدین۔ تحویلِ قبلہ (ص ۴۲۹) قرآن تمام کتبِ الٰہیہ کا مصدق ہے (۴۳۳) قریش کی عراقی تجارت کا خاتمہ (ص ۴۶۳) مسیح قتل نہیں ہوئے شہید ہوئے (ص ۴۵۷)

فصل نمبر ۸: خاتم النبیین یعنی مصدق النبیین۔ معرکہ احد قریش کا دوسرا حملہ (ص ۴۷۹) عام الزلزلہ (۴۹۶)، غزوۂ ذات الرقاع، احزاب (ص ۵۰۳) جنود اللہ یعنی خوف اور آندھی (ص ۵۰۵) متبنیٰ کی مطلقہ سے نکاح۔

فصل نمبر ۹: محسن المفتوحین (ص ۵۲۲) بیعت رضوان سے فتح مکہ تک۔ حنین، اوطاس، عمرۂ جعرانہ، غزوۂ طائف، حج مخلوط ۸ھ۔

فصل نمبر ۱۰: رحمۃ للعالمین، عام البراءت، محرم ۹ھ تا ربیع الاوّل ۱۱ھ / مارچ ۲۳ تا جون ۶۳۲ء وفد نجران، رومی سامراج سے جنگ۔ غزوۂ تبوک (۶۰۸)، حجۃ الوداع، وصالِ نبویؐ (۶۳۰)۔

اوپر دی گئی فصول عشرہ کی فہرست اور اس کے مندرجات سے ہی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ فاضل مؤلف نے حضور نبی کریم ﷺ کی پوری حیات طیبہ کا احاطہ کرتے ہوئے ترتیب نزول قرآن کی روشنی میں اپنا مطالعہ پیش کیا ہے۔ محدود وقت اور تجزیاتی مقالہ کی تنگ دامانی دیکھتے ہوئے یہ بالکل واضح ہے کہ جناب مؤلف کے کام کا مفصل جائزہ نہیں لیا جاسکتا۔ اس لیے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ سیرت قرآنیہ پر مبنی اس کتاب کے چند نمایاں پہلوؤں کے بارے میں گزارشات پیش کر دی جائیں مثلاً:

۱- جس زمانے میں اپنی یہ کتاب مولانا اجمل خان نے اہل علم کے سامنے پیش کی، اس وقت تک اردو سیرت نگاری اپنے عہد شباب میں تھی۔ نیز مولانا شبلی، مولانا سلیمان ندوی، اور مولانا قاضی سلیمان منصور پوریؒ حضرات نہ صرف یہ کہ ایک علمی، ادبی، سنجیدہ، تحقیقی، معیاری سیرت نگاری کی طرح ڈال چکے تھے بلکہ ڈھیروں تصنیفات سے شہرت عام اور بقائے دوام حاصل کر چکے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے انداز زبان وبیان میں ایسے جذبۂ عشق ومحبت رسول اور ادب وآگہی سرکارِ رسالت مآب ﷺ کا حاشیہ لگاتے چلے گئے تھے کہ عوام الناس کے دل سرکارِ ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کی بارگاہ میں جھک گئے اور سیرت خوانی کی عادت استوار ہو گئی، مثلاً ذرا مولانا شبلی کی سیرۃ النبیؐ کا سرنامہ ملاحظہ کیجیے: ''ایک گدائے بے نوا شہنشاہ کونین کے دربار میں اخلاص وعقیدت کی نذر لے کر آیا ہے زچشم آستیں ہر دار وگوہر را تماشا کن'' (ص ۳۰) یا مثلاً ظہور قدسی کے زیر عنوان ان کی یہ تحریر ہر قاری کو آج بھی یہ احساس دلاتی ہے کہ وہ خود آقائے دوجہاں کی عطر بیز نیاز آگیں محفل میں سربہ سر حاضر ہے: ''چمنستان دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں، چرخ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزم عالم اس سروسامان

سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئیں۔۔۔۔۔۔ لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال نے کروڑوں برس صرف کر دیے" (ص ۷۵)۔ یہ انھی حضرات کا فیض بے پایاں تھا کہ سیرت نگاری کا خاص ادب خاص سلیقہ خاص ترتیب سامنے آئی، مثلاً پہلے تمہید و مقدمہ، دور جاہلیت کا انقلابی نام ونسب، خاندان، زمانہ ماحول، ظہور قدمی، نشو ونما، آفتابِ رسالت کا طلوع، آغازِ دعوت، فروغِ دعوت، اثرات ونتائج اور پھر بتدریج واقعات وحقائق وغیرہ۔

جہاں تک سیرت قرآنیہ کا تعلق ہے تو یہ صاف دیکھا جا سکتا ہے کہ جناب مؤلف نے ترتیب کتاب، اسلوب تحریر، موضوعات، انداز بیان، مطالعہ وتجزیہ کے تمام مواقع پر بزرگوں والا تاثر، جذب ومحبت کی تاثیر، ادب، احترام، احتیاط، اور مجموعی طور پر سول اکرم ﷺ کی عظمت کا نقش، تمام انبیا ورسل میں آپ ﷺ کی عزت، مقام ومرتبہ، آپ کی صفات وامتیازات یا رحمۃ للعالمین، ختم المرسلین کا روح پرور، دلآویز تذکرہ کتاب میں شاید کہیں نہیں کیا۔

۲- ایک بہت نمایاں بات مصنف کا وہ نقطۂ نظر ہے جس کے تحت وہ تمام موضوعاتِ سیرت کو جانتا دیکھتا پرکھتا ہے۔ وہ ایک ایسے مسلمان سکالر کی حیثیت سے مطالعہ نہیں کرتا جس کے ہاں محبت رسول جزو ایمان، اس کی رہبر و رہ نما ہو۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مارکسی فکر اور اشتراکی نظام کی فضیلت مصنف کی فضائے افکار کو متاثر کر چکی ہے، شاید اسی لیے جہل، خوف، حزن، بھوک کے الفاظ کا مختلف مراحل میں اظہار مدعا کے لیے بار بار استعمال نظر آتا ہے۔(ص ۱۵۴)

مصنف آگے تحریر کرتے ہیں کہ "آنحضرت ﷺ کی دماغی اور جذباتی ساخت پر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے امید وبیم کا گہرا اثر پڑ چکا تھا۔ آپ نے خوف وحزن کا مقابلہ شروع کر دیا (ص ۱۵۸)، چوں کہ بہ قول اجمل خان: چالیس سال کی عمر تک آپؐ نے مسلسل تجارت کا مشغلہ رکھا (اس لیے آگے کی باتیں خود ہی فرض کر لیں کہ) اور "عرب کے ہر بازار اور میلے میں شرکت فرمائی اور عرب سے باہر بھی نصرانی مجوسی ممالک میں گئے تو بحیرا راہب ہی کیا سیکڑوں راہبوں، موبدوں، برہمنوں اور غیر عرب کاہنوں اور تاجروں سے ملاقات ہوئی ہوگی" (ص ۱۶۸)۔ وہ یہ بھی نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ "غرضیکہ بین المللی تعلیم آپ ﷺ کو شام وعرب کے بازاروں، حج کے میلوں اور ہر قوم کے لوگوں کی ملاقاتوں سے ہوئی اور خود مکہ سے ہوئی جو تمام مذاہب کا سال میں دو مرتبہ مرکز بن جاتا" (ص ۱۷۲)۔ خوف اور بھوک کے منظر کے زیر عنوان مصنف رقمطراز ہیں: "بچپن سے نکاح تک، نکاح سے بعثت تک آپ ﷺ نے

خوف اور بھوک میں پھنسی ہوئی انسانیت کے ہر طبقہ اور ہر قوم کے آدمیوں کو دیکھا۔"(ص ۱۷۲، ۱۷۳)

بعثتِ مبارکہ کے بعد جب آنحضور ﷺ کی نبوت ورسالت کی تاریخی زندگی شروع ہوئی تو مولانا اجمل خان سیرتِ **قرآنیہ** کی پہلی منزل یعنی فصل نمبرا میں (دورب میں الامام کا آئندہ منصوبہ)، جلی حروف میں یہ بتاتے ہیں: "خوف جہل اور بھوک کو ختم کرنے کا پروگرام"(ص۱۷۸)۔اسی پر بس نہیں بلکہ شروعات نبوت سے پہلے "غار حراء پر تحنث" کی غرض بھی جناب مؤلف کے نزدیک "دنیا سے خوف و جہلو جوع" دور کرنے کے لیے تھی۔(ص۱۸۳) امت کے نزدیک یہ مشہور ومعروف ومتفق علیہ ہے کہ آں حضور ﷺ پر (پہلی وحی سورۃ العلق کی پانچ آیتیں) غار حرا میں، حضرت جبرئیلؑ کے توسط سے عالم بے داری میں نازل ہوئیں۔ سیرتِ **قرآنیہ** کے مصنف اسے عالم خواب کا واقعہ بتاتے ہیں(ص ۱۹۴)۔ اس واقعہ کا ذکر جب نبی ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کیا تو ام المومنینؓ نے جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ تمام مآخذ میں منقول ہیں لیکن جناب مؤلف نے بغیر کسی سند وحوالہ کے جو گفتگو نقل کی ہے، وہ مؤلف کے نقطۂ نظر کی آئینہ دار اور اپنی جگہ دل چسپ ہے، لکھا ہے: "بات نہایت معقول ہے، میں تسلیم کرتا ہوں کہ اگر ہماری قوم اس پیغام پر عمل کرنے لگے تو وہ دنیا میں سربلند ہو جائے گی اور ہماری تجارت اور شرافت کو چار چاند لگ جائیں گے"۔ (اس کے بعد کا مشورہ بھی ملاحظہ ہو)۔ "بہتر ہے کہ آپ اپنے احباب خاص سے بھی مشورہ کرلیں۔ آں حضرت ﷺ نے سوچا کہ میری قوم کی حالت ظاہر ہے کہ آج کل ایرانیوں اور رومیوں کی جنگ نے ویسے بھی تجارت بند کر رکھی ہے۔ قریش کے سرداروں کی معاش کا سہارا صرف حج کے میلے اور تجارتی قافلے تھے اور اگر ان کو بت پرستی چھوڑنے کا مشورہ دیا جائے تو وہ سمجھیں گے کہ ان کی روزی کا آخری سہارا بھی ختم ہوا جاتا ہے، لہٰذا چند روز تک خفیہ کام کیا جائے اور جو دوست بھی انقلاب کے ہمنوا بنیں ان سے ایک جماعت کی تشکیل کے بعد علانیہ کام شروع کیا جائے"(ص ۲۰۲)۔ پہلی فصل میں احوال کار نبوت اور مصنف کے نقطۂ نظر کا مندرجہ بالا اقتباسات سے چوں کہ بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے اس لیے اگلے مراحل کا سمجھنا دشوار نہیں۔ بطور اختتام مؤلف سمجھاتے ہیں کہ خطبہ حجۃ الوداع کا "مقصد" دنیا کو خوف اور بھوک سے بچانے کا پروگرام تھا۔(دیکھیے: ص ۶۴۲)

۳- سیرتِ نبویؐ کے متعدد اہم پہلوؤں میں سے ایک اہم سوال یہ ہے کہ بعثت رسول کریم ﷺ کا مقصد کیا تھا۔ تعجب ہے کہ اجمل خاں صاحب نے اسے بہت سرسری انداز سے لیا اور قرآن پاک سے اس کا جواب اخذ نہیں کیا۔ موصوف نے آپ ﷺ کے مبعوث ہونے کی غرض بہ قول امام ولی اللہ الدہلوی (۱۷۶۳ء) بیان کی کہ دُنیا میں ظالمانہ نظاموں کے خلاف جہاد جو انسانی معاشرہ کو بربادی کی طرف لے جاتے ہیں۔(ص۱۱۱) اس کے ساتھ بریکیٹ میں یہ (عجیب وغریب لیکن معنی خیز جملہ جو مؤلف کی فکر سے قریب ہے) لکھا کہ (امام ولی اللہ کارل مارکس سے سو سال پہلے پیدا ہوئے تھے)۔ نیز نبی کا کام یہ بتایا گیا کہ وہ "اجتماع انسانی میں ایسا دستور زندگی رائج کرتا ہے جس سے انسان ترقی کی راہیں تیزی سے طے کرنے لگتا ہے" (نفسِ مصدر)۔ ان اقوال کے الفاظ اتنے مجمل ہیں کہ ان کی تعبیر اور تشریح متعین نہیں ہو سکتی۔ یہ امر بھی افسوسناک ہے کہ قرآن سے کوئی دلیل یا تفصیل اخذ نہیں کی گئی۔

علاوہ ازیں ایک جگہ بغیر وضاحت نصب العین کے تحت هو الذي أرسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله میں تحریک کا نصب العین مضمر بتایا گیا۔ حالاں کہ ان امور کی قرآن نے پوری وضاحت کر دی ہے مثلاً بعثت انبیا کی اساسی غرض وغایت (۱) لوگوں کو اعتدال وقسط پر قائم کرنا (الحدید:۲۵) (۲) شہادت علی الناس یا اتمام حجت (النساء:۴۱/الحج :۷۸) (۳) اقامت دین (الشوریٰ:۱۳) بتایا گیا جب کہ بطور خاص آں حضور ﷺ کے فرائضِ رسالت میں (۱) تعلیم کتاب وحکمت (۲) تلاوت آیات اور (۳) تزکیہ نفوس انسانی (البقرہ: ۱۲۹، ۱۵۱، آل عمران: ۱۶۴، الجمعة:۲) قرار دیا گیا جب کہ دین حق اسلام کے (دوسرے تمام ادیان باطلہ پر) غلبہ کلی کو مدعائے شان رسالت فرمایا گیا (توبہ: ۳۳/فتح :۲۸/الصف:۹)۔

۴- سیرتِ قرآنیہ چوں کہ مولانا جناب اجمل خان نے از خود حاصل کردہ تعلیم وتربیت، مخصوص ذہنی فکری پس منظر اور شارح فکر ولی اللہی امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی کی صحبت کے نتیجے میں، سیرت نگاری کے عام روایتی اسلوب سے جدا، اور عامۃ المسلمین کے معروف ومقبول عقائد و نظریات سے علی وجہ البصیرت کنارہ کش ہو کر لکھی تھی، اس لیے کتاب میں جابجا عامۃ المسلمین کے موقف سے مختلف

آرا، روایتی تاریخی حقائق سے گریز، بربنائے تجدد، سلف کے مسلک سے انحراف، اپنے استاذ، امام مولانا عبید اللہ سندھی کے تتبع میں یورپ کی مادی برتری، روس وترکی کے انقلاب اور آزاد خیالی سے متاثر ہو کر مختلف نظریات، خیالات اور تفردات پائے جاتے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے، لیکن بہ طور مشتِ نمونہ از خروارے نمایاں ترین باتوں کو بہ صورتِ نکات ذیل میں پیش کیا جارہا ہے:

☆ قرآن کی کل آیتیں محکم بھی متشابہ بھی (ص ۵۹۰)۔

☆ قرآن اور تورات کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔

☆ تورات وانجیل محرف نہیں ہیں (ص ۶۵۶)، تحریف کسی کلام کو سمجھ لینے کے بعد اس کی غلط تاویل کرنا (۶۵۷)

☆ کل کتب الٰہیہ کافروں کے لیے معجزہ ہیں (ص ۳۷۲)۔

☆ اعجاز کتب الٰہیہ نہ کہ اعجاز القرآن (ص ۵۵۹)

☆ قرآنِ عربی صرف عربی بولنے والے عربوں کے لیے ہے (ص ۶۸۴)۔

☆ ہر ملک کے مومنوں کا فرض ہے کہ اپنے ملک کی قدیم خدائی تعلیم (یا کتاب اللہ) کو دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع کریں (۶۸۴)۔

☆ حضور ﷺ پر پہلی وحی (غار حرا) عالم خواب میں آئی (ص ۱۹۴)

☆ مسیح قتل نہیں بلکہ شہید ہوئے (ص ۴۵۷)، شہادتِ مسیح (ص ۲۵۰)، شہادتِ مسیح ایک تاریخی واقعہ ہے (ص ۶۸۹)۔

☆ جملہ کتب الٰہیہ کو ماننا ہر مومن کے لیے ضروری ہے (ص ۶۸۹)۔

☆ اسرا/ معراج خواب کا واقعہ ہے (ص ۳۷۰)۔

☆ قرآن کل کتب الٰہیہ کا مصدق ہے (ص ۴۳۳)۔

☆ اللہ کی سب کتابیں معجزہ ہیں صرف قرآن نہیں (ص ۲۷۴)۔

☆ مکہ کل قوموں کا تجارتی مرکز تھا (ص ۱۷۴)۔

☆ اخلاقی سیاست ہی نبوت کا مقصد ہے (ص ۳۰۰)۔

☆ رسول عربی کو کوئی معجزہ نہیں دیا گیا (ص ۶۸۱)۔

☆ اسلامی تقویم شمسی تھی (ص ۶۹۰)۔

☆ سیرتِ نبوی کا پیغام (۶۳۲ تا ۶۵۲)

☆ پیغام محمدیؐ کی مشکلات پر نظر ثانی (۶۵۳ تا ۶۹۱)۔

حرف آخر:

گذشتہ صفحات میں، جناب مولانا اجمل خان کی ضخیم کتاب: **سیرتِ قرآنیہ سیدنا رسولِ عربی ﷺ** کے خصوصی حوالے سے ۲۰ ویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں سیرت نگاری کا ارتقا پیش کیا گیا۔ کتاب اگرچہ اپنے زمانے کے احوال وظروف اور جناب مصنف کے مخصوص خیالات و نظریات سے مبرا نہ ہو سکی لیکن یہ کیا کم ہے کہ انھوں نے سیرت نبی کریم ﷺ کے مطالعے کے لیے قرآن حکیم کو ماخذ و مرجع بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس دور میں قدیم وجدید افکار وخیالات اور مختلف النوع سیاسی سماجی تحریکوں کی تیز ہوائیں پورے برصغیر میں چل رہی تھیں جن کے سبب ان کے فانوس خیال کی روشنی کبھی تیز کبھی مدھم ہوتی رہی اور ان کے قدم بار بار ڈگمگائے لیکن بالآخر موصوف اپنے کام کی تکمیل میں کامیاب رہے۔ اس کام کو اگر وہ عامۃ المسلمین کے موقف کے مطابق ترمیم واصلاح سے ہم آہنگ کر لیتے تو بہت بڑی خدمت ہوتی۔ بہ ہر حال موضوع کا مطالعہ وتجزیہ یہ ثابت کرتا ہے کہ قرآن سے ماخوذ ومستفاد سیرت رسولؐ پر ایک متوازن معیاری کتاب کی ضرورت ہنوز باقی ہے۔ هذا من عندي والعلم عند الله.

❁❁❁❁❁❁